ماہنامہ

محدّث

بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۱۹

جلد: ۲۸ ، شمارہ: ٦

جمادی الآخرة ۱۴۳۱ھ

جون ۲۰۱۰ء

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالسلام مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-خلیفۂ اول صدیق اکبرؓ ...	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	٦
۵-عدالت صحابہ سے متعلق......	مولانا عبدالمتین مدنی	۱۲
٦-گناہوں سے بچئے کہ......!	عبدالسمیع محمد ہارون سلفی	۱٦
۷-قصص قرآن: اغراض ومقاصد	اسامہ احمد صغیر احمد	۱۸
۸-تیمّم کے احکام ومسائل......	عبدالولی عبدالقوی	۲۳
۹-علامہ شمس الحق محدث ڈیانوی......	مولانا محمد یاسین	۲۷
۱۰-سرزمین دوآبہ میں وہابی تحریک..	صدیق احمد نفیس احمد	۳۲
۱۱-شہادت حسینؓ ایک تحقیقی جائزہ	عبدالغفار سلفی	۳۸
۱۲-تعلیمی سال ۲۰۰۹-۲۰۱۰ء کا اختتام		۴۲
۱۳-انجمن ندوۃ الطلبہ کے زیر اہتمام تقریری وتحریری مسابقے		۴۳
۱۴-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۴
۱۵-عظمت نقاب نسواں	فائق بندوی	۴٦
۱٦-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۷

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپۓ
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپۓ

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/ ۱جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

DarutTaleefWatTarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

یہ دنیا آزمائش کا گھر ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوفْ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الأَمَوَالِ وَالأنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ، الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيْبَةٌ قَالُواْ إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ، أُولَـئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ (البقرۃ:۱۵۵-۱۵۷)

اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، خوف سے، بھوک سے، مال اور پھلوں کی کمی سے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے دیجئے، جنہیں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، ان پر ان کے رب کی نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

مذکورہ بالا آیتوں میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ ہم تم مسلمانوں کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کر کے آزمائیں گے کہ تمہارا ایمان کیسا ہے، اور کون ہے جو ثابت قدم رہتا ہے اور کس کا قدم ڈگمگا جاتا ہے، جیسا کہ اسی سورہ بقرہ کی آیت نمبر 214 میں فرمایا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے کیا تم کو پہلے لوگوں کی خبر نہیں کہ ان پر کیسی کیسی مصیبت اور تکلیفیں آئیں کہ نبی تک اللہ سے کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اسی طرح اس آیت میں امت محمد یہ کو بلاء وآزمائش میں مبتلا ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

یہ دنیا بلاء اور آزمائش کا گھر ہے، کبھی خوف ودہشت، کبھی بھوک و پیاس اور غلہ کی کمی وقحط سالی، کبھی مال وکاروبار کے خسارے سے اور کبھی کسی کی وفات اور حادثات سے، انسان الجھن اور پریشانی میں مبتلا ہوتا رہتا ہے۔

یہ سب پریشانیاں اور مصیبتیں آتی رہیں گی اور اس سے انسان دوچار ہوگا، ایسے حالات میں ایک مومن اللہ پر پورا بھروسہ کرتا ہے اور خود کہہ اٹھتا ہے یہ تو اللہ ہی کے حکم سے ہے، ہم اس کے فیصلہ پر آمنا وصدقنا کہتے ہیں، ان پریشانیوں پر صبر کرتے ہوئے یہ یقین رکھتا ہے کہ ہم کو بھی اللہ کے پاس لوٹنا ہے، اس کے فیصلے پر راضی رہتا ہے۔ ایسے متقی اور مومن بندہ کے لیے اللہ کی طرف سے خوشخبری ہے کہ رب کی نوازشیں اور رحمتیں انہیں کو ملتی ہیں اور ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالی نے ہدایت یافتہ کہا ہے۔

اس روئے زمین پر مختلف لوگ بستے ہیں، اللہ نے انسانوں کے لیے بہت طرح کی چیزیں بنائی اور سب کو انسان کے لیے مسخر کیا، انسان اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنے کام میں لاتا ہے، ان تمام چیزوں کا خالق اور مالک اللہ ہے۔

جو انسان ان باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتا ہے وہ مومن ہے، سورہ عصر میں فرمایا: زمانہ کی قسم ہے بنی نوع انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان انسانوں کے جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے اور صبر کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔

اللہ نے دنیا کی تمام دولت کو انسان کے لیے مسخر کر کے یہ بتایا کہ اس دولت کو پانے کے بعد اگر صحیح عمل نہیں کرے گا تو فائدہ نہیں بلکہ خسارہ ہے، اس لیے کہ اس نے ایک میزان بنا رکھا ہے اور ایک راہ ہدایت کی تلقین کر دی ہے۔ یہ بتا دیا کہ "فريق فى الجنة وفريق فى السعير" ایک گروہ جنتی ہوگا اور ایک جہنمی، جو اللہ کو خالق و مالک مان کر اسی کی ہدایت پر صبر کرے گا، وہ اللہ کی رحمتوں اور نوازشوں کا حق دار ہوگا، اور جو اس کے خلاف کرے گا وہ خسارہ میں رہے گا۔

یہ دنیا دار بلاء وآزمائش ہے، ابدی خوشی اور سرمدی زندگی موت کے بعد دوسری دنیا میں نصیب ہوگی۔

اللہ تعالی ہم مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنائے اور خاتمہ ایمان پر کرے۔☆

درس حدیث: ۱۳۴

بعض صفات باری تعالی، اور چند آداب شریعت

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن أبي جُريّ جابر بن سُلَيم، قال: أتيت المدينة، فرأيت رجلا يصدر الناس عن رأيه، لا يقول شيئا إلا صدروا عنه، قلت: من هذا؟ ..... ، قلت: أنت رسول الله ؟ فقال: أنا رسول الله، الذي إن أصابك ضر فدعوته كشفه عنك، .....، قلت: اعهد إلي. قال: لا تسبن أحدا، .....، وإن امرء شتمك وعيرك بما يعلم فيك فلا تعيره بما تعلم فيه، فإنه وبال ذلك عليه.

رواه أبوداود .....، وفي رواية: فيكون لك أجر ذلك ووبال عليه. (مشكاة ج ١، ص ١٦٩)

قال في المرعاة: وروى أحمد بنحوها، وابن حبان في صحيحه، وسكت عنه أبوداود، وصححه الترمذي والنووي، ..... (مرعاة ج ٦ ، ص ٣٥٥)

ترجمہ: حضرت ابوجُرَیّ جابر بن سُلیم ؓ سے روایت ہے کہ میں مدینہ آیا تو ایک انسان (آپ ﷺ) کو دیکھا کہ لوگ ان کی رائے اور قول کو قبول کرتے ہیں اور وہ جو بھی کہتے ہیں اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں، میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ (ﷺ) ہیں، میں نے "عليك السلام يا رسول الله" کہہ کر دو بار سلام کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "عليك السلام" کہہ کر سلام نہ کرو، یہ (زمانۂ جاہلیت میں) مُردوں کا سلام تھا۔ (یعنی اب اسلام میں یہ سلام مع الکراہۃ جائز ہے) تم "السلام عليكم" کہہ کر سلام کرو، میں نے استفسار کیا، آپ رسول اللہ ہیں؟ ارشاد فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں، جو اللہ پاک اگر تمہیں کوئی اذیت لاحق ہوتی ہے اور تم اسی کو پکارتے ہو تو وہ اذیت زائل فرما دیتا ہے، اور اگر تم قحط میں مبتلا ہوتے ہو اور اسی سے دعا کرتے ہو تو تمہارے لیے زمین کو سرسبز و شاداب بنا دیتا ہے، اور اگر تم چٹیل میدان یا وسیع صحراء میں اپنی سواری کھو بیٹھتے ہو اور اسی اللہ پاک سے طلب کرتے ہو تو وہ تمہاری سواری کو لوٹا دیتا ہے۔

میں نے کہا مجھے نصیحت فرمائیے، آپ گویا ہوئے کسی کو ہرگز ہرگز سب و شتم نہ کرو، صحابی کہتے ہیں، اس ہدایت کے بعد میں نے کسی آزاد یا غلام آدمی کو اور نہ ہی کسی اونٹ اور بکری کو برا بھلا کہا، آپ نے ارشاد فرمایا: کسی بھی معروف اور بھلی چیز کو ہرگز ہرگز حقیر نہ سمجھو، اور یہ کہ تم اپنے (دینی) بھائی سے ہنس مکھ گفتگو کرو، یہ بھلی بات میں سے ہے، اور اپنا ازار نصف پنڈلی تک رکھو، اور اگر ایسا نہ کرنا چاہو تو ٹخنے کے اوپر تک رکھو، اسبال ازار سے اپنے آپ کو بچاؤ، اس لیے کہ یہ تکبر میں سے ہے اور اللہ پاک تکبر کو پسند نہیں فرماتا ہے، اور اگر کوئی انسان تم سے سب و شتم کرے اور تمہارا عیب جان کر عار دلائے تو تم اس کا عیب جان کر بھی عار نہ دلاؤ، اس پر اس کا وبال شدید تر ہوگا۔ (ابوداود وغیرہ، حدیث صحیح)

اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ (مخاصم کا عیب جان کر جواب میں بھی عار نہ دلانا) یہ تمہارے لیے باعث اجر و ثواب ہے، اور اس کا وبال اس کے سر ہوگا۔

رب العالمین! ہمیں جملہ صفات باری تعالی پر پختہ ایمان رکھنے، اور تمام آداب شریعت اپنانے والا بنا، آمین۔

☆☆☆

افتتاحیہ

دواہم کانفرنسیں

ایک کانفرنس ''عظمت صحابہ کانفرنس'' کے نام سے نئی دہلی میں ۱۰-۱۱/اپریل ۲۰۱۰ء کو مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کے زیر اہتمام منعقد ہوئی اور دو دنوں تک مشہور تاریخی میدان ''رام لیلا گراؤنڈ'' کو وادیٔ امن بنا گئی، مرکزی جمعیت اہل حدیث سے قلبی وابستگی اور اصحاب رسول ﷺ سے جذباتی و دینی لگاؤ نے سلفیان ہند کی خاصی تعداد کو ملک کے گوشہ گوشہ سے اس میدان میں لا جمع کیا اور موضوع کانفرنس کی عظمت کو دیکھ کر ہر مسلمان خوش خوش نظر آرہا تھا اور بعض بعض مواقع پر خطابات کو سننے کے لیے میدان میں انبوہ کثیر امڈ امڈ پڑا، ہمیں یقین ہے کہ اصحاب رسول ﷺ کے متعلق کانفرنس نے برصغیر میں جو پیغام دینا چاہا تھا وہ سنا گیا ہوگا اور ان کی عظمت کے نقوش لوگوں کے قلب وضمیر میں از سر نو تازہ ہوئے ہوں گے، ضرورت ہے کہ اصحاب رسول کا اسوہ دور جمہور میں لوگوں میں عملا عام کیا جائے، ان کی سیرت کو برت کر دکھایا جائے کہ عام انسانیت کی نجات اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی یہ روشن شاہراہ ہے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث سلفیان ہند کا سب سے عظیم تاریخی دعوتی ادارہ ہے، اس کے پلیٹ فارم سے اٹھنے والی صدا کی بڑی تاثیر اور اہمیت ہوتی ہے، جہاد آزادی ہند میں جماعت اہل حدیث کی اچھوتی اور بے مثال قربانیوں کا ذکر جب مرکزی جمعیت کے پلیٹ فارم سے ہوتا ہے تو وہ ایک قومی صدا بن جاتی ہے، یہی حال جماعت اور عام انسانیت کی دعوت اصلاح اور فلاح و بہبود کا بھی ہوسکتا ہے، اگر احساس ذمہ داری سے اسے ادا کیا جاتا رہے، ملک کے دارالسلطنت دلی میں دو عظیم کانفرنسوں میں ہم نے دیکھا کہ ملک کی درجنوں مذہبی، سیاسی اور سماجی سربرآوردہ شخصیات کو مرکزی جمعیت کے اسٹیج سے خطاب کرنے کا موقع دیا گیا اور انہوں نے جماعت اہل حدیث کی جد وجہد آزادی اور قربانیوں کا کھلے دل سے اعتراف واظہار کیا، اس میں شک نہیں کہ جماعت کی دعوت کے میدانوں میں سے ایک میدان یہ بھی ہے، اور اسے مرکزی جمعیت کے ایک خاص شعبہ کی شکل دیا جانا چاہئے۔

جامعہ سلفیہ بنارس کا مرکزی جمعیت اہل حدیث سے دستوری تعلق ہے، ذمہ داران مرکز کو اس کا پوری طرح ادراک ہے، چنانچہ پہلے کی طرح کانفرنس میں شرکت کے لئے انتظامیہ اور اساتذۂ جامعہ کے نام بڑے پیمانہ پر دعوت نامے بھیجے گئے اور ڈاکٹر جاوید اعظم رکن انتظامیہ اور راقم سطور رکن ہیئۃ تدریس کو کانفرنس میں شرکت کی اجازت دی گئی، ڈاکٹر صاحب

موصوف نے کانفرنس کے پہلے روز بعد نماز مغرب والی مجلس کی صدارت کا فریضہ پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا اور راقم سطور نے اس مجلس کی پہلی تقریر صحابۂ کرام کی انسانی خدمات کے موضوع پر پیش کی، مزید ناچیز نے مقالات کی مجلس میں بھی شرکت کی اور مجلس شعروشاعری میں بھی۔ اللہ تعالی کانفرنس کو جماعت اور مسلک کے لئے مفید اور نتیجہ خیز بنائے، آمین۔

دوسری کانفرنس "الملتقى السنوي الأول للدعاة" کے نام سے "السبيل الى النهوض بالأمة" کے زیر عنوان ۱۷ تا ۲۱/اپریل ۲۰۱۰ء کو کویت میں منعقد ہوئی، یہ کانفرنس ''جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی'' کے زیر اہتمام منعقد ہوئی، اور خالص دعوت کے موضوع پر، تینتیس ممالک کے دعاۃ نے اس میں شرکت کی، بڑے بڑے منجھے ہوئے محاضرین نے عقیدہ، دعوت، دہشت گردی سے روک، موجودہ مالی معاملات، فرق ضالہ، اخلاص، بدعات، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے قواعد، دعوت کے اسالیب ووسائل وغیرہ موضوعات پر محاضرے دیئے، متعدد مسائل وموضوعات پر باہمی مناقشے اور گفتگوئیں ہوئیں، دعاۃ سے ان کی اپنی سرزمینوں میں دعوت کے احوال سنے گئے، الحمدللہ راقم سطور کو اس میں شرکت کا موقع ملا جو دعوت کے تعلق سے بڑا دل نشیں تجربہ ثابت ہوئی، دعوت کی راہ دل شکنیوں اور کانٹوں سے بھری ہوئی ہے، لیکن اس دعوتی کانفرنس پر اخلاص کی مٹھاس اور برتاؤ کی خوشگواری سایہ فگن تھی، کانفرنس میں شرکت اور اس کو دیکھ، سن کر اندازہ ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں محنت ومشقت کسے کہتے ہیں اور یہ کہ اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اللہ تعالی اسے زیادہ سے زیادہ بابرکت بنائے، آمین۔

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (فصلت:۳۳)

اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔

اللہ سے سرکشی اور بغاوت کے اس دور میں اللہ کی طرف دعوت کی بات روئے زمین پر کہی جانے والی باتوں میں سب سے بہترین ہے اور اللہ کے سچے میزان میں بھی سب سے اچھی ثابت ہوگی، یہ فریضہ ہر بندہ مومن کو اپنے علم اور ہر صاحب علم کو اپنی وسعت معلومات کی حد تک ادا کرنا چاہئے، اس کے ساتھ ہی ایسے گروہ ہونے چاہئیں جو شب وروز دعوت اسلام کے درپے رہیں۔

☆☆☆

خلیفۂ اول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تنقیص اور شیعہ

(۲)

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
استاذ جامعہ رحمانیہ، بنارس

آپ کا نام عبداللہ بن عثمان اور کنیت ابوبکر ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو عتیق اور صدیق کے لقب سے نوازا اور اللہ نے آپ کو صاحب الرسول، ثانی اثنین اور اتقی کہہ کر آپ کی عزت افزائی فرمائی، یہ القاب آپ کی رفعت اور علو مرتبت پر دال ہیں، آپ کا تعلق قریش کے قبیلۂ بنو تیم سے تھا، جن کے پاس دیت اور مالی تاوان کی نگہداشت کا شعبہ تھا، عرب کی تاریخ اور علم الانساب میں آپ کو بے پناہ مہارت حاصل تھی، اس فن میں پورے قریش میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، دور جاہلیت میں کپڑوں کی تجارت کا پیشہ اختیار کیا، اپنے اخلاق کی بنا پر قریش کے معروف تاجر بن گئے، تجارت کے سلسلے میں شام کے علاقوں کا متعدد بار سفر کیا، حسن اخلاق، بہترین کردار، غربا پروری اور اقربا نوازی کی وجہ سے پورے قریش میں ہر دلعزیز اور مقبول تھے، ابن الدغنہ کا قول واضح ثبوت ہے کہ آپ کے اخلاق حمیدہ کے چرچے نواح مکہ ہی تک محدود نہ تھے، اس نے کہا تھا: ''آپ جیسا انسان نہ یہاں سے جاسکتا ہے اور نہ اسے جانے دیا جائے گا، آپ تو محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، رشتہ داروں کا خیال رکھتے ہیں، لوگوں کا بوجھ یعنی قرض وغیرہ اپنے سر لے لیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، مصائب میں لوگوں کا تعاون کرتے ہیں، میں آپ کو پناہ دیتا ہوں''۔(۱)

حضرت ابوبکر دور جاہلیت میں ہر قسم کے فسق و فجور سے دور رہے، آپ نے کبھی شراب نہیں پی، کبھی مشرکانہ رسوم اور اصنام پرستی کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوئے اور ہمیشہ ان سے متنفر رہے، کثرت اسفار کی وجہ سے مختلف مذاہب کے پیروکاروں سے ربط وضبط تھا، حق کی جستجو تھی، تلاش حق میں مختلف لوگوں سے ملے لیکن تسلی نہ ہوئی، اسی درمیان رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ سے نکاح کر کے ان کے گھر منتقل ہو گئے تھے، حضرت ابوبکر کا گھر بھی قریب ہی تھا، آپ سے شناسائی نزدیکیوں اور دوستی میں تبدیل ہوگئی، فطرت سلیمہ اور مزاج کی یکسانیت نے دونوں کو ایک جان دو قالب بنا دیا۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ بعثت نبوی کے بعد:

رسول اللہ ﷺ منصب رسالت سے سرفراز ہوئے، آپ کو دعوت دین کا حکم ملا، دعوت کا آغاز کس سے کریں؟ قریش میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے قریبی دوست تھے، نگاہ انتخاب انہیں پر پڑی آپ نے ان پر دعوت توحید پیش کی، دوست نے بلا پس وپیش آمنا وصدقنا کہا اور تائید ونصرت کا وعدہ کیا، اور پوری زندگی اس وعدے کو اس طرح نبھایا کہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے محافظ، حامی وناصر اور اسلام کے داعی بن گئے، خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إن الله بعثني إليكم

(۱) الصحیح للبخاری (۳۹۰۵) السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۱/۳۷۱۔

فقلتم كذبت وقال أبو بكر صدق وواساني بنفسه وماله فهل أنتم تاركوني صاحبي ؟ مرتين " (۱) اللہ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث فرمایا، تم نے میری تکذیب کی اور ابوبکر نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال کے ساتھ میری غم خواری کی، تو کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو چھوڑو گے؟

دعوتی سرگرمیاں:

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام لاتے ہی توحید کے تقاضوں کو سمجھ لیا اور رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ دعوت دین میں مصروف ہو گئے، کفر وشرک کی ظلمات میں شمع توحید روشن کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا، آپ کو معلوم تھا کہ رضائے الٰہی اور خوشنودیٔ خدا کی راہیں انتہائی سنگلاخ اور خارزار ہیں، دعوت دین کی کامیابی کے لئے جینا مرنا، اپنے شب وروز اور جان و مال سب کچھ اس راہ میں قربان کرنا پڑے گا، ارشاد ربانی ہے: ﴿قل إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين﴾ آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور مرنا سب خالص اللہ کے لئے ہے۔ دل میں خلوص ہو، جذبے میں صداقت ہو اور لگن سچی ہو تو اثر آفرینی لازمی ہے، آپ کی باتیں لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے لگیں اور معززین قریش کا ایک گروہ اسلام لانے کے لئے تیار ہو گیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ، زبیر بن عوام، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبداللہ، سعد بن ابی وقاص، عثمان بن مظعون، ابوعبیدہ بن جراح، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوسلمہ بن الاسد اور ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم اجمعین کو لے کر خدمت نبوی میں پہنچے، ان لوگوں نے نبی ﷺ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا، یہ نفوس قدسیہ، سابقون اولون اسلام کے ستون ثابت ہوئے، شرک کی بدلیاں چھٹنے لگیں، ہر سو روشنی پھیلنے لگی، پھر آپ نے اہل خانہ کی طرف توجہ دی اور بیٹیاں، بیوی اور غلام سب مشرف بہ اسلام ہوئے۔

دعوت کی راہ میں فداکاری:

دعوت کی راہ میں آپ نے اس قدر اذیت برداشت کی کہ آپ کے جان کے لالے پڑ گئے، لیکن آپ کے جوش وخروش میں ذرہ برابر کمی نہ ہوئی، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی ایک طویل روایت میں بیان کرتی ہیں: جب صحابہ کرام کی تعداد اڑتیس ہو گئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! اب دعوت کا اعلان کر دیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی ہماری تعداد بہت کم ہے، لیکن حضرت ابوبکر اصرار کرتے رہے، چنانچہ آپ کے اصرار پر صحابہ کرام کی معیت میں رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ تشریف لائے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطاب کرنا شروع کر دیا، مشرکین ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام پر پل پڑے، ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا کہ چہرہ اور ناک کا پتہ نہیں چل رہا تھا، بنو تیم کے لوگ آپ کو اٹھا کر گھر لائے، لوگوں کو آپ کی موت کا یقین ہو گیا، ہوش آیا تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خیریت پوچھی، خیریت معلوم ہوئی تو اپنی ماں اور ام جمیل کے سہارے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کو بوسہ دیا اور فرط جذبات سے

(۱) البخاري: فضائل أصحاب النبي ﷺ (۳۶۶۱)۔

بے اختیار ہو کر آپ کے گلے لگ گئے، آپ ﷺ ابو بکر کی یہ محبت دیکھ کر رو پڑے، اس موقع پر آپ کی والدہ بھی مسلمان ہو گئیں''۔(۱) محبت رسول اور دعوت دین کا یہ جذبہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آیا۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے محافظ:

دعوت حق کی مقبولیت دیکھ کر مشرکین مکہ تلملائے ہوئے ہیں، ان کی ایذا رسانیاں شباب پر ہیں، آپ ﷺ اور صحابہ کرام کے لئے خطرات بڑھ گئے ہیں، رسالت مآب کی شخصیت خطروں سے گھر گئی ہے، یہ دیکھ کر ابو بکر رضی اللہ عنہ سایے کی طرح آپ کے ساتھ رہنے لگے، جب بھی مشرکین رسول اللہ ﷺ پر یلغار کرتے، ابو بکر رضی اللہ عنہ سینہ سپر ہو جاتے اور آپ ﷺ کو دشمنوں کے نرغے سے بحفاظت نکال لے جاتے، سیرت کی کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات مذکور ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر ہر پرخطر موقع پر آپ کی حفاظت کی، صحیح بخاری کی روایت ہے کہ عقبہ بن ابی معیط آپ کے گلے میں کپڑا ڈال کر کھینچنے لگا، حضرت ابو بکر آگے بڑھے اور اسے کندھوں سے پکڑ کر دور کیا، اور یہ آیت پڑھی: ﴿أتقتلون رجلا أن يقول ربي الله﴾ ''(۲)

اسی طرح ایک بار کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس قدر مارا کہ آپ بے ہوش ہو گئے، ابو بکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور بلند آواز سے کہنے لگے: تم تباہ و برباد ہو جاؤ "أتقتلون رجلا أن يقول ربي الله" کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو صرف یہی کہہ رہا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔(۳)

رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ کی حفاظت کے لئے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جذبے، ان کی شجاعت اور جان نچھاور کرنے کے ولولے کی ترجمانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درج ذیل بیان سے مکمل طور سے ہوتی ہے، انہوں نے فرمایا: ''لوگو! سب سے بہادر کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: آپ، فرمایا: جو بھی میرے مقابلے میں آیا میں نے اس سے اپنا حق لے لیا، لیکن سب سے بڑے بہادر ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے بدر میں ایک سائبان بنا دیا تھا، سوال پیدا ہوا آپ کے ساتھ کون رہے گا؟ تا کہ کوئی مشرک آپ پر حملہ آور نہ ہو سکے، تو اللہ کی قسم صرف ابو بکر ہی تلوار کھینچ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے ہو گئے جو بھی آپ کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے لہذا آپ ہی سب سے بڑے بہادر ٹھہرے، ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قریش پڑ گئے، کوئی آپ پر غصہ اتارتا، کوئی آپ کو تنگ کرتا اور کہتا تم نے تو تمام معبودوں کو چھوڑ کر ایک کو پکڑ لیا ہے، اللہ کی قسم جو بھی رسول اللہ ﷺ کے قریب آتا، ابو بکر رضی اللہ عنہ کسی کو مار کر بھگاتے کسی کو برا بھلا کہہ کر دور کرتے، فرماتے: تم برباد ہو جاؤ، تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، علی رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر ہٹائی اور اس قدر روئے کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، پھر فرمایا: میں تمہیں قسم دلاتا ہوں کہ بھلا بتاؤ آل فرعون کا مومن (جس نے موسی علیہ السلام کی مدد کی تھی) افضل ہے یا ابو بکر رضی اللہ عنہ؟ یہ

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۳/۳۔ (۲) البخاری (۳۸۵۶) (۳) منہاج السنۃ ۴/۳۔

سن کر لوگ رو پڑے، علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک ساعت آل فرعون کے مومن کی زمین بھر کی نیکیوں سے بہتر ہے، کیوں کہ آل فرعون کا مومن اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا اور یہ اپنے ایمان کا اعلان کرتے پھرتے تھے۔(۱)

دولت کا صحیح مصرف:

دنیا کے دیگر معاشروں کی طرح مکہ میں بھی غلامی کا نظام سماج کا لازمی جز تھا، ان غلاموں اور کنیزوں کی حیثیت مویشیوں سے زیادہ نہ تھی، انہیں کسی موقف اور کسی فکر کے قبول کرنے کا حق نہیں تھا، اسلام کے اصولوں میں ان کچلے اور دبے ہوئے لوگوں کو بڑی کشش محسوس ہوئی، انہوں نے حق کی آواز پر لبیک کہنا شروع کر دیا، یہ بے یار و مددگار طبقہ مشرکین مکہ کی تعذیب کا سب سے زیادہ نشانہ بنا ہوا تھا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس طبقہ کی مدد کرنے اور انہیں غلامی کی زنجیروں سے رہائی دلانے کے لئے اپنی دولت وقف کر دی، آپ کی کوششوں سے عامر بن فہیرہ، ام عبس، زنیرہ، نہدیہ اور ان کی بیٹی اور بلال رضی اللہ عنہ کو رہائی ملی، بے کس مسمانوں کے سہارا بننے کی یہ ادا اللہ رب العالمین کو اس قدر بھائی کہ اس نے آپ کے بارے میں آیات نازل کر کے آپ کو بقائے دوام کی سند دے دی، اللہ نے فرمایا: ﴿فأما من أعطى واتقى وصدق بالحسنى فسنيسره لليسرى﴾ (۲) مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیات ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔

صدیق کا خطاب:

سن بارہ نبوت میں معراج کا واقعہ پیش آیا، اللہ کے رسول ﷺ نے واقعہ کی تفصیل صحابہ کرام کو سنائی، انہوں نے واقعہ کی تصدیق کی، مشرکین مکہ کو استہزاء کا ایک بہانہ ہاتھ آ گیا، ابوجہل ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑتے ہوئے آیا کہ وہ آپ کو یہ ناممکن الوقوع واقعہ سنا کر خوب شرمندہ کرے گا، اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کچھ سنا تمہارے ساتھی کیا کہہ رہے ہیں؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا؟ ابوجہل نے سارا قصہ کہہ سنایا، آپ نے جواب دیا: اگر آپ نے ارشاد فرمایا ہے تو سب سے پہلے میں تصدیق کرتا ہوں، اس لئے کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب بات پر ایمان رکھتا ہوں، ابوجہل نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ صبح و شام اس رسول پر خدا کا فرشتہ اترتا ہے اور ان پر اللہ کی وحی لاتا ہے، اگر اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر خدا کے رسول پر فرشتہ اور وحی کا نزول ممکن ہے تو پیغمبر خدا کے اسراء اور واقعہ معراج کے امکان میں کیا تعجب ہے؟ دیگر صحابہ کرام اور ابوبکر کی تصدیق میں یہی فرق تھا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف واقعہ کی تصدیق کی بلکہ مشرکین کو ایسا دندان شکن جواب دیا کہ ان کے حوصلے پست ہو گئے اور زبانیں گنگ ہو گئیں، سیدھے سادے مسلمانوں کے دلوں میں ایمان مزید مستحکم ہو گیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے اسلام کو اس قدر تقویت ملی کہ دربار

(۱) محمد عبدالرحمٰن قاسم: ابوبکر صدیق ص ۲۹، ۳۰، ۳۱۔ (۲) سورۃ اللیل: ۵ تا ۷۔

رسالت سے آپ صدیق کے لقب سے سرفراز ہوئے، نبوت کے بعد یہ سب سے اعلی اعزاز ہے جو عالم بشریت میں کسی کو ملا۔

سفر ہجرت اور رسالت مآب ﷺ کی رفاقت:

اسلامی تاریخ میں ہجرت کا واقعہ بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے، ہجرت سے اسلام کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے، اسلامی ریاست کی تشکیل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا ہے، مسلمانوں کو سکون واطمینان کے ساتھ نئی زندگی شروع کرنے کے اسباب میسر آتے ہیں، ہجرت کا اذن عام ہو چکا ہے، صحابہ کرام کا مدینہ پہنچنے کا سلسلہ جاری ہے، لیکن ذات رسالت ابھی مکہ ہی میں قیام پذیر ہے، وحی کا انتظار ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ دل میں رفاقت نبی کے ارمان لئے حکم کے منتظر ہیں، رسول اللہ ﷺ "لا تعجل لعل الله يجعل لك صاحبا" کہہ کر اشارہ کر دیا ہے کہ رفاقت کا شرف انہیں ہی حاصل ہوگا، شیدائی رسول کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے والی ہے، سفر کی تیاری کی جارہی ہے، لیکن دل میں وسوسے اور اندیشے ہیں کہ غیب سے نہ جانے کیا حکم ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت اچانک ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لاتے ہیں اور خوش خبری سناتے ہیں کہ ابوبکر ہجرت کا حکم آ گیا ہے، بے قرار ہو کر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ مجھے آپ کی رفاقت چاہئے، رسول اللہ ﷺ اطمینان دلاتے ہیں کہ ہاں ابوبکر تم ہی میرے ہمسفر بنو گے، یہ مژدہ جاں فزا سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے، یہ خوشی کے آنسو تھے، وہ اپنی خوبیٔ قسمت پر کیوں نہ ناز کریں، جلیل القدر اصحاب رسول موجود تھے، لیکن اس منصب اعلی کے حق دار صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ قرار پائے، وجہ ظاہر ہے، پوری مکی زندگی میں رسول اکرم ﷺ کا سایہ بنے رہے، رسول اکرم کے بعد کشتی اسلام کے ناخدا آپ کی ذات تھی، اپنی جان، مال عزت وناموس سب کچھ خدمت دین کے لئے وقف کر دیا، سفر ہجرت میں رفاقت رسول دراصل اشارہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اسلام کا سب سے بڑا پاسباں آپ کا سچا جانشین اور نیابت کا صحیح ترجمان یہی شخصیت بنے گی۔

سفر ہجرت کا پورا واقعہ رسول کی ذات سے آپ کی محبت وشیفتگی کا عکاس ہے، آپ ﷺ چلتے تو ابوبکر کبھی آپ کے پیچھے ہو لیتے اور کبھی آپ کے آگے ہوتے تاکہ کوئی حملہ آور ہو تو پہلے ابوبکر کا سامنا کرے، غار ثور کے چاروں طرف مشرکین کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: یارسول اللہ اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف نگاہ ڈالی تو ہمیں دیکھ لے گا، ارشاد ہوتا ہے: "ما ظنك يا أبا بكر باثنين الله ثالثهما" اے ابوبکر ان دونوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ جن کا تیسرا خود اللہ ہو۔(۱) یہ اضطراب، یہ بے چینی، یہ گھبراہٹ اپنی ذات کے لئے نہ تھی کیونکہ وہ تو ایسی سینکڑوں جانیں رسول اقدس کی ذات پر قربان کر دینے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، وہ تو صرف ذات رسالت کے لئے پریشان تھے کہ کہیں ان کے ہوتے ہوئے رسالت مآب کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، اللہ کو ابوبکر کے حُب نبی کا یہ جذبہ

(۱) البدایۃ والنہایۃ: ۲۴۹/۵۔

اس قدر پسند آیا کہ اپنی خاص معیت میں رسول کے ساتھ آپ کو بھی شریک کرلیا، پوری مخلوق میں یہ شرف صرف آپ ہی کے نصیب میں تھا، ارشاد ربانی ہے: ﴿الا تنصروه فقد نصره الله اذا أخرجه الذين كفروا ثانى اثنين اذ هما في الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا فأنزل الله سكينته عليه وأيده بجنود لم تروها وجعل كلمة الذين كفروا السفلى وكلمة الله هي العليا والله عزيز حكيم﴾ (۱) اگر تم نے ان کی (رسول اللہ ﷺ کی) مدد نہ کی تو اللہ نے ان کی مدد کی، جب کہ کافروں نے انہیں نکال دیا تھا، دو میں سے دوسرا، جب کہ وہ دونوں غار میں تھے، جب کہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے غم نہ کرو بلا شبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے، پس اللہ نے ان پر اپنی جانب سے سکون نازل کیا اور ایسے لشکروں سے ان کی مدد کی جن کو تم نے دیکھا ہی نہیں، اس نے کافروں کو پست کر دیا اور اللہ کا کلمہ بلند بالا ہے اور اللہ ہی غالب، حکمت والا ہے۔

غار ثور میں رسول اللہ ﷺ داخل ہونا چاہتے ہیں، ابوبکر عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! ابھی رک جائیے، میں غار کو صاف کرلوں، غار کے سارے سوراخ بند کر دیئے، ایک سوراخ باقی رہا، اس پر اپنے پیر کا انگوٹھا رکھ دیا، زہریلے کیڑے نے کاٹ کھایا، رسول اللہ ﷺ آپ کے زانو پر سر رکھ کر سو رہے ہیں، ابوبکر شدت تکلیف سے بے چین ہیں، مگر پہلو نہیں بدلتے ہیں کہ مبادا رسول اللہ ﷺ بیدار نہ ہو جائیں، آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے، رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھل گئی، آپ نے لعاب دہن لگایا، تکلیف رفع ہوگئی۔

سفر ہجرت بے حد پُر خطر تھا، مشرکین مکہ آپ کے خون کے پیاسے تھے، پوری حفاظت اور سلامتی کے ساتھ مدینہ تک پہنچنے کے لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زبردست منصوبہ بندی کی اور اپنے گھر والوں کو مختلف ذمہ داریاں سپرد کر دیں، بیٹیوں کے ذمہ زادراہ تیار کرنا تھا، بڑی بیٹی اسماء کی ذمہ داری تھی وہ چھوٹے بھائی بہنوں اور والد کو سنبھال کر رکھیں، غلام عامر بن فہیرہ کے ذمہ بکریوں کا دودھ پہنچانا تھا، بیٹے عبداللہ کے ذمہ تھا کہ وہ مشرکین کی کارروائیوں اور ان کے عزائم کو معلوم کر کے بتلائیں، اس طرح آپ نے نبی کی ذات کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے اپنے پورے خاندان کو خطرے میں ڈال دیا، کیا اس اکملیت کے معیار پر کوئی اور شخص اتر سکتا ہے۔

(جاری)

☆☆☆

(۱)

عدالت صحابہ سے متعلق اہل سنت کا عقیدہ

(۲)

مولانا عبدالمتین مدنی
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

صحابہ کرام کی عدالت پر سلف صالحین کی شہادتیں:

سلف صالحین کی ایک بڑی جماعت نے اپنے خطبوں اور تحریروں میں صحابہ کرام کی عدالت اور اس سلسلہ میں اہل سنت کا عقیدہ بیان کیا ہے، چند مثالیں پیش خدمت ہیں، صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: جو شخص اقتداء کرنا چاہے اسے چاہئے کہ وہ اصحاب رسول اللہ کی اقتداء کرے کیونکہ یہ ساری امت میں اپنے قلوب کے اعتبار سے سب سے زیادہ پاک، علم کے اعتبار سے سب سے گہرے، تکلف سے سب سے زیادہ دور، عادات وخصائل کے اعتبار سے سب عمدہ اور حالات کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنے نبی کی محبت اور دین کی خدمت کے لئے پسند فرمالیا ہے تو تم ان کی قدر پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو، اس لئے کہ وہ صراط مستقیم پر قائم رہے۔(۱)

نیز ایک موقع پر فرمایا: اللہ نے اپنے سب بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو محمد ﷺ کو ان سب قلوب میں سب سے بہتر پایا پھر آپ کو اپنی رسالت کے لئے مبعوث فرمادیا، پھر محمد ﷺ کے قلب کے بعد دوسرے دلوں پر نظر فرمائی تو اصحاب محمد کے قلوب کو دوسرے تمام بندوں کے قلوب سے بہتر پایا تو ان کو اپنے نبی کی رفاقت اور دین کی نصرت کے لئے منتخب فرمالیا۔(۲)

صحابہ کرام کے حق میں یہ کتنی عظیم شہادت وتعدیل ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز تحریر فرماتے ہیں: پس تمہیں چاہئے کہ اپنے لئے وہی طریقہ اختیار کرو جس کو صحابہ کرام نے اپنے لئے پسند کیا تھا، اس لئے کہ وہ جس حد پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے، اور جس چیز سے انہوں نے روکا ایک دور بین نظر کی بنا پر روکا، بلاشبہ وہی حضرات دقیق حکمتوں اور علمی الجھنوں کے کھولنے پر قادر تھے اور جس کام میں تھے اس میں سب سے زیادہ فضیلت کے وہی مستحق تھے۔(۳)

امام مسلم رحمہ اللہ کے استاذ حافظ ابوزرعہ عراقی فرماتے ہیں:

جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو صحابہ کرام میں سے کسی کی تنقیص کررہا ہو تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لئے کہ قرآن حق ہے، رسول حق ہیں اور جو تعلیمات آپ لیکر آئے ہیں وہ حق ہے اور یہ سب ہم تک پہنچانے والے صحابہ کے سوا کوئی نہیں تو جو شخص ان کو مجروح کرتا ہے وہ کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتا ہے، لہذا خود اس کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے اور اس پر گمراہی اور زندقہ کا حکم لگانا زیادہ قرین انصاف ہے۔(۴)

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ مقدمہ استیعاب میں تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) لوامع الانوار ۲/۳۸۲۔ (۲) مسند احمد ۱/۳۷۹۔
(۳) مقام صحابہ ص ۶۲، ۶۳۔ (۴) الکفایہ: ۴۹۔

یہ حضرات صحابہ کرام ہر زمانے کے افراد سے افضل ہیں جسے اللہ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے پیدا فرمایا، ان سب کی عدالت اس طرح ثابت ہے کہ اللہ نے بھی ان کی تعریف وتوصیف فرمائی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اور ان لوگوں سے بڑھ کر کون عادل ہوسکتا ہے جنہیں اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور نصرت کے لئے چن لیا ہو، کسی شخص کے حق میں عدالت وثقاہت کی کوئی شہادت اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی۔(۱)

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

صحابہ کرام کے درمیان جو اختلافات ہوئے ان کے بارے میں اہل سنت والجماعت سکوت اختیار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کی برائی کے بارے میں جو روایتیں منقول ہیں ان میں سے بعض تو بالکل جھوٹی ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ ان میں کمی بیشی کر دی گئی ہے، اور ان کا صحیح مفہوم بدل دیا گیا ہے اور اس قسم کی جو روایتیں بالکل صحیح ہوں ان میں بھی صحابہ کرام معذور ہیں، ان میں سے بعض حضرات اجتہاد سے کام لے کر حق وصواب کو پہنچ گئے اور بعض نے اجتہاد لے کام لیا اور اس میں غلطی ہوگئی، اور اس کے ساتھ اہل سنت کا یہ اعتقاد بھی نہیں ہے صحابہ کا ہر فرد تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ ہے، بلکہ ان سے فی الجملہ گناہوں کا صدور ہوسکتا ہے، لیکن ان کے فضائل وسوابق اتنے ہیں کہ جو گناہ ان سے صادر ہوا یہ فضائل ان کی مغفرت کے موجب ہیں، بلکہ ان کی مغفرت کے مواقع اتنے ہیں جو ان کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہوسکتے۔(۲)

نیز فرماتے ہیں:

کسی معاملہ میں یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وہ خطا اجتہادی نہیں بلکہ حقیقتاً گناہ ہی ہے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان کا وہ گناہ بھی معاف ہو چکا ہے، یا اس وجہ سے کہ انہوں نے توبہ کرلی یا ان کی دوسری ہزاروں حسنات وطاعات کے سبب معاف کر دیا گیا، یا دنیا میں کسی مصیبت وتکلیف میں مبتلا کر کے ان کے گناہ کا کفارہ کر دیا گیا، یا اس کے سوا اور بھی اسباب مغفرت ہوسکتے ہیں، قرآن وسنت کے دلائل سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں، اس لئے یہ ناممکن ہے کہ کوئی ایسا عمل ان کے نامۂ اعمال میں باقی رہے جو جہنم کی سزا کا سبب بنے اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ صحابہ کرام میں سے کوئی شخص ایسی حالت پر نہیں مرے گا جو دخول جہنم کا سبب بنے تو اس کے سوا اور کوئی چیز ان کے استحقاق جنت میں مانع نہیں ہوسکتی۔(۳)

علامہ ابن القیمؒ رقمطراز ہیں:

''وہ (صحابہ کرام) اس امت کے سردار اور ائمہ کرام کے قدوہ ورہنما ہیں، کتاب وسنت کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے، نزول قرآن کے عصر کو پایا اور اس کے معانی ومطالب کی معرفت حاصل کی، ان کے بعد آنے والوں کا علم شرعی ان کے بنسبت ایسا ہی ہے جیسا کہ فضل ودینداری میں ان کے مقابلہ میں ان کی حیثیت، جب وہ اس عظیم مرتبہ ومقام پر فائز ہیں تو ان کے بارے میں حسن ظن یہی ہے کہ اختلافی مسائل میں حق اور درستگی ان کے ساتھ ہے اور بہت سے قیاسوں سے جو ظن حاصل

(۱) الاستیعاب ۱/۱، ۲۔ (۲) شرح العقیدۃ الواسطیۃ، ص ۱۱۶، ۱۱۷۔ (۳) لوامع الانوار ۲/۳۸۲۔

ہوتا ہے ان سے ان کا موقف قوی تر ہے۔(۱)

علامہ سفارینی فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام معذور اور ماجور ہیں، گنہ گار نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل حق کے تمام قابل ذکر علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ان کی شہادتیں کی مقبول ہیں اور ان کی روایتیں بھی اور ان سب کے لئے عدالت ثابت ہے، اسی لئے ہمارے ملک کے علماء اور ان کے علاوہ تمام اہل سنت نے جن میں ابن حمدان (نہایۃ المبتدئین) بھی داخل ہیں فرمایا ہے کہ تمام صحابہ کرام سے محبت رکھنا اور ان کے درمیان جو واقعات پیش آئے ان کو لکھنے، پڑھنے، پڑھانے، سننے اور سنانے سے پرہیز کرنا واجب ہے اور ان کی خوبیوں کا تذکرہ کرنا اور ان سے رضامندی ظاہر کرنا، ان سے محبت رکھنا، ان پر اعتراضات کی روش کو چھوڑ دینا، انہیں معذور سمجھنا اور یہ یقین رکھنا واجب ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا اسے جائز اجتہاد کی بنا پر کیا جس سے نہ کفر لازم آتا ہے اور نہ فسق ثابت ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات اس پر انہیں ثواب ہوگا، اس لئے کہ یہ ان کا جائز اجتہاد تھا۔(۲)

ان تمام تصریحات سے عدالت صحابہ کا عقیدہ بالکل نمایاں ہو جاتا ہے، اور صحابہ کرام سے محبت اور ان کے احترام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان کی عدالت کو شک وشبہ سے بالاتر سمجھا جائے نیز اللہ تعالی نے اپنے دین کی حفاظت کا اعلان فرمایا ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ﴾ الحجر:۹) اور الحمد للہ یہ دین آج بھی محفوظ شکل میں موجود ہے، اس لئے اگر اس دین کے اولین حاملین عدالت وثقاہت کے عظیم مرتبہ پر فائز نہ ہوتے تو یہ کیونکر ممکن ہوتا، فاعتبروا يا أولي الأبصار۔

دو اشکال اور ان کے جواب:

۱-صحابہ کرام کے سلسلہ میں سلف صالحین کا یہ عقیدہ ہے ذكر محاسنهم والسكوت عن مساويهم ان کے محاسن کا ذکر ہو اور ایسی باتیں جو ان کے شایان شان نہیں ان پر سکوت اختیار کیا جائے، اپنی زبان یا تحریر میں وہ باتیں نہ لائی جائیں، علامہ ابن حمدان نے بھی جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اسی بات کو لکھا ہے اس کے باوجود اختلافات صحابہ سے متعلق بعض باتیں سلف کی کتابوں میں کیوں ذکر کی گئی ہیں۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ سلف کی کتابوں میں ان کے ذکر کا مقصد یہ ہے کہ معاندین صحابہ اور صحابہ کی عدالت کے منکرین صحابہ کرام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں، ان کی اور ان کے موضوع دلائل کی حقیقت سے لوگ واقف ہو جائیں نیز اس سلسلہ میں اگر کوئی درست بات ہو تو اس کی درست توجیہ، جو کتاب وسنت کے مطابق ہو کی جا سکے، گویا مقصد امت کی صحابہ کرام کے سلسلہ میں صحیح رہنمائی، مخالفین کی تردید اور ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ ہے تاکہ اس مقدس جماعت کے بارے میں کوئی مسلمان غلط فہمی کا شکار ہو کر اپنے ایمان کو خطرہ میں نہ ڈالے اور رب کی ناراضگی اور عتاب کو دعوت نہ دے۔

۲-لفظ عادل کی تشریح میں یہ بات گذر چکی ہے کہ عدل یا عادل وہ شخص ہے فسق سے محفوظ ہو یعنی کبیرہ گناہ کا ارتکاب یا صغیرہ

(۱) (۲) لوامع الانوار ۲/۳۸۷، ۳۸۸۔

گناہ پر اصرار نہ ہو، اگر کوئی شخص کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنا یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا ہے تو وہ ساقط العدالۃ قرار پائے گا اور فاسق کہلائے گا۔

نیز میں نے صحابہ کرام کے سلسلہ میں ائمہ سنت کا یہ عقیدہ نقل کیا کہ وہ صحابہ کرام کو معصوم نہیں سمجھتے بلکہ ان سے کبائر وصغائر کے صدور کا امکان تھا اور صدور ہوا بھی تب پھر کیسے ان کو عدول قرار دیا جائے جبکہ وہ فسق سے محفوظ نہ رہے، اس اشکال کا جواب یہ ہے جو شخص گناہ کا ارتکاب کرے تو اس کی مکافات توبہ سے یا دوسری حسنات سے ہوسکتی ہے، قرآن کریم میں اللہ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاء فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَداً وَأُوْلَئِکَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ، إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَلِکَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ﴾ (نور:۴-۵)

جولوگ پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں اور اس پر چار گواہ نہیں لاتے، انہیں اسّی کوڑے مارو، ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ فاسق لوگ ہیں سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں دوسری آیت کریمہ میں اللہ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ہود:۱۱۴) بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں، اب جب صحابہ کرام کے گناہوں کو اللہ نے معاف فرمادیئے اور ان کے لئے اپنی رضا لکھ دی تو وہ متقی اور عادل قرار پائے نہ کہ فاسق، صحابہ کرام گناہوں سے کس قدر خائف رہتے تھے اور بشری تقاضے کی بنا پر ان سے گناہوں کا صدور ہو جاتا تو بڑی سے بڑی سزا کے لئے اپنے آپ کو خود بخود پیش کردیتے اور سزا پانے کے بعد ان کا حال یہ ہوتا تھا کہ بسا اوقات ان کی توبہ ان کے گناہ پر بہت بھاری رہتی، جب ایک صحابیہ کو رجم کیا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اس خاتون نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ پورے مدینہ والوں میں تقسیم کردی جائے تو ان کو کافی ہوگی۔

یہ تھا صحابہ کرام اور ان کی توبہ کا حال اور ہم صحابہ کرام سے یہی حسن ظن رکھتے ہیں کہ انہوں نے ضرور توبہ کی ہوگی نیز اسلام کے لئے ان کی خدمات اور حسنات اتنے عظیم ہیں کہ وہ ان کی گناہوں پر بہت بھاری ہیں۔

سیرت صحابہ کے وہ واقعات جن کو منکرین عدالت صحابہ دلائل کے طور پر پیش کرتے ہیں، ان کے سلسلہ میں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام کے تشریعی احکام کی عملی مثالوں کی بنیاد زیادہ تر یہی واقعات ہیں جو بشری تقاضے کی بنا پر ان سے سرزد ہوئے اور پھر ان کی تادیب واصلاح کے لئے احکام نازل ہوئے اور تنفیذی احکام مثلاً حدود وغیرہ کا نفاذ بھی ہوا، اگر بالفرض صحابہ کرام انبیاء وفرشتوں کی طرح معصوم ہوتے تو ان احکام کی تطبیقی شکل دنیا کے سامنے کیسے آتی اور بعد والوں کو ان احکام کی عملی مثال کہاں سے ملتی؟ اس لئے سیرت صحابہ کے اس پہلو میں بھی یہ عظیم حکمت مضمر ہے۔

حرف آخر: صحابہ کرام کی عدالت نصوص کتاب وسنت اور اجماع امت سے مسلم ہے، اس سلسلہ میں شک وشبہ میں مبتلا ہونے والا یا شک وشبہ کا دروازہ کھول کر امت کو سلف صالحین کے راستے سے ہٹانے والا کتاب وسنت کے نصوص کا منکر اور اجماع امت سے خارج ہے، اور وہ لوگ جو ان کی عدالت کے منکر ہیں، ان کے بارے میں امام ابوزرعہ کی یہ شہادت کافی ہے کہ وہ خود ساقط العدالۃ، گمراہ اور زندقہ کے شکار ہیں۔

☆☆☆

گناہوں سے بچئے کہ.....!

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی
بھوارہ، مدھوبنی، بہار

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورہ بقرہ کی بالکل ابتدائی آیت: ﴿الم، ذلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين﴾ (۱-۳) (الم، یہ کتاب ہے (یعنی اللہ کی جانب سے)، اس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لئے ہدایت ہے) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تقوی کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے جواب میں سوال کیا کہ آپ کیا ایسے جنگل وبَن سے گذرے ہیں جو خاردار ہو، کانٹوں سے بھرا ہو، اس کے ہر چہار جانب نوکیلے اور خطرناک خار ہی خار ہوں، اس پر انہوں نے جواب دیا جی ہاں بالکل گذرا ہوں، پھر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ پھر آپ ایسے جنگل سے کس طرح گذرے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے خود کو سکوڑ لیا، اپنے دامن کو سمیٹ لیا اور پوری احتیاط سے وہاں کے کانٹوں سے بچتے ہوئے نکلا، اس پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تقوی اسی کا نام ہے (یعنی یہ دنیا ہے یہاں پر قدم قدم پر سیئات ومعصیات کا سامنا ہوتا رہتا ہے، جس سے نہ بچنے اور بے پرواہ ہوکر چلنے میں ایمان اور دینی اقدار کے زخمی اور گھائل ہونے کا خطرہ ہے، اس لئے یہاں اس جہان فانی میں رہتے ہوئے سیئات ومعصیات سے ہر ممکن طور پر بچتے رہنا یہی تقوی ہے، اسی میں ایمان وعقیدے کی سلامتی ہے)، پھر حافظ ابن کثیرؒ آگے لکھتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب کا تقوی کی ایسی تفسیر کہ گناہوں سے بچنا ہی تقوی ہے، کی روشنی میں استدلال کرتے ہوئے چند اشعار ابن المعتز نے کہا جس کا مفہوم یہ ہے کہ تم چھوٹے بڑے سبھی گناہوں سے دور رہو، یہی تقوی ہے اور تم اس دنیا میں سیئات ومعصیات سے اسی طرح بچ کر چلو جس طرح کوئی آدمی خارزار وادی اور کانٹوں بھرے جنگل سے خود کو ان کانٹوں سے بچاتے ہوئے پورے احتیاط کے ساتھ نکلتا ہے، دیکھو ہر گناہ سے بچو، خواہ وہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو، لوگ صغیرہ گناہ کو چھوٹا اور معمولی سمجھ کر کر جاتے ہیں، حالانکہ پہاڑ کنکریوں کے ذخیروں سے ہی بنتا ہے، یعنی تم بھی اگر صغائر کا ارتکاب ان کے معمولی ہونے کے سبب کرتے رہ گئے تو تمہارے نامۂ اعمال میں گناہوں کا ایک بڑا پہاڑ کھڑا ہو جائے گا۔

تقوی کی عظمت وفضیلت کا کیا کہنا، صرف قرآن میں متعدد جگہ اسکے مرتبہ ومقام کا بیان بار بار ہے، مثلاً غور کرنے کی بات ہے کہ قرآن کے بالکل اغاز ہی میں بیان ہوتا ہے کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، اس میں ہدایت کا سامان تقوی والوں کے لئے ہے، اسی طرح قرآن میں ہے آخرت کی فلاح وبھلائی کا مدار تقوی پر ہے، عبادات کی قبولیت کا انحصار تقوی پر ہے، ہدایت حاصل کرنے کے لئے تقوی شرط ہے، صاحب تقوی کو اللہ بے حد محبوب رکھتا ہے، اللہ تقوی والوں کے ساتھ ہے، متقین کے لئے دنیا وآخرت دونوں میں بھلائی ہے، اللہ کے یہاں اصل قدر اسی کی ہے، اللہ متقین کا ولی ہے، اور صاحب تقوی سے جنت کا وعدہ ہے، وغیرہ وغیرہ، قرآن کریم میں اس کی متعدد خوشخبریاں صاحب تقوی کے تعلق سے آئی ہیں، غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالی نے جس تقوی کی اتنی زیادہ فضیلت وعظمت بیان کی ہے، اس کا معنی ومفہوم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جیسے صحابی نے کتنے سادہ اور جامع انداز میں بیان کیا کہ اس کا مطلب گناہوں سے بچنا ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے صحابی نے بھی اسے تسلیم

کیا، فی الواقع گناہوں سے بچنا تقوی ہے، بے شک یہ بہت بڑی نیکی ہے، بھلائی کا عمل عظیم ہے۔

اس کی تائید کہ فی الواقع گناہوں سے بچنا عظیم عمل صالح ہے، بہت بڑی نیکی ہے، صحیح بخاری ومسلم میں بیان اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کے راوی حضرت ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! سب سے بہترین عمل کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ، پھر میں نے پوچھا کہ کونسا گردن آزاد کرنا سب سے افضل ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو اس کے مالک کی نظر میں سب سے قیمتی ہو، میں نے کہا کہ اگر میں ان بہترین اعمال کو نہ کرسکوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا (کہ پھر تمہارے لئے بہترین عمل یہ ہے کہ تم) کمزوروں محتاجوں اور غریبوں کی مدد کرو، میں نے پھر سوال کیا کہ اگر میں یہ عمل بھی نہ کرسکا تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم شر سے بچو۔

واقعہ یہ ہے کہ گناہوں سے بچنا واقعۃً نیکی کرنے سے کم نہیں ہے، بلکہ یہ قدرے اہم اس لئے بھی ہے کہ اگر کوئی مسلمان بڑے سے بڑے اعمال صالحہ کرتا ہے لیکن گناہوں کا ارتکاب بھی کرتا رہے تو اس کے بہت سارے اعمال ایسے ہی ضائع اور برباد ہوجاتے ہیں، مثلاً مشہور حدیث صحیح ہے کہ آدمی حرام مال کھاتا ہے اور اللہ کی عبادت بھی کرتا ہے تو وہ عبادت اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہے، آدمی نماز بھی پڑھے اور فحش ومنکر سے نہ رکے تو اس کی نماز ہی نہیں ہے، یہ بھی حدیث میں ہے، روزہ کے تعلق سے تو مشہور حدیث ہے کہ ایک مسلمان روزہ رکھے اور روزے کی حالت میں گناہوں کا ارتکاب بھی کرتا رہے تو اللہ کی نظر میں اس روزہ کی کوئی قدر نہیں ہے اور اللہ کو ایسے روزہ داروں کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی مطلب نہیں ہے، یعنی اس کا کوئی اجر وثواب نہیں ہے، بلکہ شریعت کے احکام میں غور وخوض سے تو یہ تک معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال کے ساتھ معصیت کا بھی ارتکاب کرنے سے نہ صرف اعمال صالحہ ضائع ہوجاتے ہیں بلکہ اللہ کے یہاں ایسے معاصی کے مرتکبین کی سزا سخت سے سخت ترین ہے، مشہور اور صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن عالم، امیر اور مجاہد کو لایا جائے گا اور ان سے اللہ سوال کرے گا کہ تم نے دنیا میں کون سے اعمال کئے؟ عالم کہے گا میں نے علم سیکھا اور تیرے بندوں کو اس سے فائدہ پہنچایا، اللہ کہے گا تم جھوٹ بولتے ہو تم نے یہ سب کام دنیا میں شہرت وعزت حاصل کرنے کے لئے کرتے رہے، پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس ریاکار عالم کو جہنم میں گھسیٹ کر لے جاؤ، یہی سوال امیر سے بھی ہوگا، وہ بھی کہے گا کہ میں نے تیری دی ہوئی دولت تیرے راستے میں خرچ کیا، اللہ فرمائے گا کہ تم بھی جھوٹے ہو، تم بھی ریاکاری کے لئے یہ سب کرتے رہے، اسے بھی فرشتے اللہ کے حکم سے گھسیٹ کر جہنم میں لے جائیں گے، پھر مجاہد سے سوال ہوگا تو وہ بھی کہے گا کہ میں نے تیرے راستے میں جان ومال سے قتال کیا اور یہاں تک کہ شہید ہوا، اللہ فرمائے گا تم نے بھی ریاکاری کے لئے یہ سب کیا، وہ بھی اللہ کے حکم سے گھسیٹ کر جہنم میں داخل کردیئے جائیں گے۔ کتاب وسنت کے یہ چند نصوص اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ فی الواقع گناہوں سے محض بچنا بھی بہت بڑی بات ہے، نیک عمل سے کم نہیں ہے، بلکہ یہ تقوی ہے، اس کے بڑے دوررس مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس سے عدم غفلت کے بڑے دوررس مہلک اثرات ہیں۔

رب العالمین سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ ☆☆

قصص قرآن: اغراض ومقاصد

اسامہ احمد صغیر احمد
فاضل جامعہ سلفیہ بنارس

قرآن کریم جو انسانیت کے لیے ایک عظیم عطیۂ ربانی ہے، بنیادی طور پر دعوت وتبلیغ، ترغیب وترہیب، ذکر وتذکیر، انذار وتبشیر، رشد وہدایت، عبر ومواعظ اور پند ونصائح کا مجموعہ ہے، یہ ایک ایسا معجز، جامع ومبسوط دستور حیات ہے جس میں دنیا وآخرت میں سرخرو ہونے کے تمام تر ضروری احکام وقوانین موجود ہیں، اس کلام الٰہی کا ایک معتد بہ حصہ قصص وواقعات اور اخبار وحوادث پر مشتمل ہے، جن کا مقصد انسانوں کے قلوب واذہان میں اطاعت وفرماں برداری، پیروکاری وتقوی شعاری اور خشیت وخوف الٰہی کا جذبہ پیدا کرنا ہے، بفضل اللہ وتوفیقہ اس مضمون میں قصص قرآن کے اغراض ومقاصد پر خصوصا اور ان سے ملحق دیگر نکات پر عموما روشنی ڈالی گئی ہے۔

قصص کا لغوی معنی:

یہ "قص یقص" کا مصدر ہے جس کا معنی تتبع کرنا ہوتا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: "فَارْتَدَّا عَلٰى آثَارِهِمَا قَصَصاً" (۱) چنانچہ وہیں سے اپنے قدموں کے نشان ڈھونڈھتے ہوئے واپس لوٹے۔ (جونا گڈھیؒ) (۲)

اس کا ایک معنی مصدری کسی خبر کو بیان کرنا اور اسم ہونے کی صورت میں اس کا استعمال نثری حکایت واخبار کے لیے ہوتا ہے، رب العالمین کا ارشاد ہے: "نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ" (۳) ہم آپ کے سامنے بہترین بیان پیش کرتے ہیں۔ (جونا گڑھیؒ) (۴)

قصص قرآنی کا اصطلاحی مفہوم:

قصص قرآنی سے مراد انبیاء کرام اور اقوام سالفہ کے وہ حوادث وواقعات، احوال ووقائع اور اخبار وحکایات ہیں جن کو رب العالمین نے عبرت وموعظت، انذار وتبشیر اور اصلاح وتبلیغ کے لیے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے، ان قصص میں اقوام ماضیہ کی تاریخ، تہذیب وتمدن، زبان، جغرافیہ، بلاد ودیار اور آثار سے متعلق ضروری معلومات موجود ہیں۔ (۵)

قرآن کریم میں لفظ قصص کا استعمال:

''المعجم المفہرس'' کے مطابق لفظ قصص قرآن میں چھ مقامات پر وارد ہوا ہے: آل عمران: ۶۲، اعراف: ۱۷۶، یوسف:

(۱) کہف: ۶۴۔ (۲) مفردات الفاظ القرآن: ۶۷۱، والمنجد: ۸۰۶۔
(۳) یوسف: ۳۔ (۴) تاج العروس: ۹/۵۱، والقاموس المحیط: ۸۰۹۔
(۵) مباحث فی علوم القرآن: ۳۰۷، ومقالات الحافظ: ۱۰۲۔

۳، قصص: ۲۵، کہف: ۶۴، یوسف: ۱۱۱۔ ان کے علاوہ کئی مقامات پر لفظ قصص کے افعال وارد ہوئے ہیں، مثلاً: قصص: ۱۱، ہود: ۱۳، وغیرہ۔(۱)

قصص قرآن کے خصائص:

قصص قرآن کے امتیاز کے سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں کسی بھی جگہ مفرد شکل میں لفظ قصہ کا استعمال نہیں ہوا ہے، جہاں بھی ہے جمع کی شکل میں قصص (بفتح القاف) یا اس کے مصدری معنی کا استعمال ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن نے قصص میں جس مفہوم ومعنی کو اختیار کیا ہے وہ صرف قصص (بفتح القاف) لکھنے ہی میں ممکن ہے، اگر قرآن میں قصہ کا مفرد لفظ استعمال کیا جاتا جو قَصَصُ اور قِصَصُ میں مشترک ہے تو اس سے مراد آج کا ادبی قصہ مراد لیا جاسکتا ہے۔(۲)

قصص قرآن آج کے ادبی قصوں سے بالکل مختلف ہیں کیونکہ آج کا ادبی قصہ تو محض ایک مفروضہ واقعہ کے مختلف حوادث پیش کرتا ہے، اس کے برعکس قرآن مجید صحیح اور سچے واقعات کو بیان کرتا ہے، جس کا مقصد عبرت ونصیحت اور قاری کے دل میں خشیت الٰہی پیدا کرنا ہے۔(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ" (۴) یقیناً صرف یہی سچا بیان ہے۔(جونا گڈھیؒ)

قرآن قصص کا اگر ہم فنی اعتبار سے جائزہ لیں تو اندازہ ہوگا کہ ان کے اندر بیشتر خصائص موقع ومحل کی رعایت کے ساتھ کم وبیش موجود ہیں لیکن دیگر فنی خصوصیات کے بالمقابل عبرت وموعظت اور مقصد وجامعیت کا پہلو غالب ہے۔(۵)

قصص قرآن کی قسمیں:

اس بحث میں علماء کی آراء مختلف ہیں، بعض نے صرف دو قسموں تاریخی اور تمثیلی میں تقسیم کیا ہے، محمد احمد خلف نے چار انواع میں منقسم کیا ہے۔(۶) جب کہ استاذ مناع القطان نے ان کو تین قسموں میں بانٹا ہے۔

۱۔ قصص انبیاء: قصص انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم کی دعوت وتبلیغ کے مراحل، ان کو عطا کردہ معجزات کی تفصیل، کفار ومعاندین کی ایذاء رسانیاں اور مومنین وکافرین کے انجام کار پر مشتمل ہوتے ہیں، مثلاً قصص نوح، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد وغیرہم علیہم الصلاۃ والسلام۔

۲۔ وہ قصص جن کا تعلق گذشتہ حوادث ووقائع یا ایسے اشخاص واقوام سے ہوں جن کی نبوت ثابت نہیں جیسے یاجوج وماجوج، طالوت وجالوت، ہابیل وقابیل، ذوالقرنین، اصحاب سبت، وکہف، فیل اور اخدود وغیرہ۔

۳۔ عہد نبوی ﷺ میں واقع شدہ حوادث وواقعات جیسے آل عمران میں غزوہ بدر، توبہ میں غزوہ حنین وتبوک، احزاب

(۱) المعجم المفہرس: ۵۴۶۔ (۲) خصائص القصۃ الاسلامیۃ: ۵۷ بحوالہ مقالات الحافظ: ۱۰۲۔
(۳) مقالات الحافظ: ۱۰۶۔ (۴) آل عمران: ۶۲۔
(۵) فکر ونظر: ۸۳، وقرآن کے فنی محاسن: ۲۵۴،۷۴۔ (۶) خصائص القصۃ الاسلامیۃ: ۶۸ بحوالہ مقالات الحافظ: ۱۰۹۔

میں غزوۂ احزاب اور بنی اسرائیل میں اسراء ومعراج کے واقعات وغیرہ۔(۱)

تکرار قصص کی حقیقت:

قرآن کریم میں اکثر وبیشتر ایک ہی واقعہ کو متعدد واقعات میں دہرایا گیا ہے، مگر پورے واقعہ کو نہیں بلکہ خصوصا ان کڑیوں کو جن میں عبرت وموعظت پر مشتمل مواد ہوتے ہیں، پورے واقعہ کی تکرار شاذ ونادر ہی ہوتی ہے۔(۲) تکرار قصص میں حضرت موسی علیہ السلام کی شخصیت سب سے نمایاں ہے، ان کا تذکرہ سورہ قصص: ۳، ۴۲، طہ: ۹، ۹۸، شعراء: ۱۰، ۶۸، اعراف: ۳، ۱۰، ۱۷۱، اور یونس: ۳۵، ۹۳، اس کے علاوہ اور کئی جگہ بالاختصار تذکرہ ہے، اسی طرح سے حضرت داود وسلیمان علیہما السلام کا واقعہ سورہ بقرہ: ۲۵۱، انبیاء: ۷۸، ۸۲، اور نحل: ۱۵، ۴۴، اور حضرت مریم، عیسی، زکریا اور یحییٰ علیہم السلام کے واقعات آل عمران: ۳۲، ۵۸، اور مریم: ۱، ۳۷ میں وارد ہوئے ہیں۔

استاذ مناع القطان تکرار قصص کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قران کریم بلاغت کے اعلی مراتب پر فائز ہے کیونکہ ایک ہی واقعہ متغایر اسلوب اور مختلف قالب میں اس طرح ڈھال دیا گیا ہے کہ ہر جگہ سے نئے نئے نکات فراہم ہوتے ہیں، یہ اعجاز قرآن کی ایک واضح اور صریح دلیل ہے۔(۳)

قصص قرآن کے اغراض ومقاصد:

قرآن کریم میں جہاں خالص دینی مقاصد وغایات کو بیان کرنے کے لیے بے شمار وسائل اختیار کئے گئے ہیں، ان ہی وسائل میں سے ایک قصہ نگاری بھی ہے، قرآن کا بنیادی مقصد دعوت دین ہے اور قصص اس کو لوگوں تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہے۔(۴) ذیل میں ہم قصص قرآنی کے اہم اغراض ومقاصد پر روشنی ڈال رہے ہیں۔

۱-عبرت وموعظت: قرآن عزیز ان تاریخی واقعات کو محض اس لیے نہیں بیان کرتا کہ وہ واقعات ہیں، جن کا تاریخ میں درج ہونا ضروری ہے، بلکہ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ان واقعات سے پیدا شدہ نتائج کو انسانی رشد وہدایت کے لیے عبرت وموعظت بنائے اور انسانی عقل وجذبات سے اپیل کرے کہ وہ نوامیس وقوانین فطرت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ان تاریخی نتائج سے سبق حاصل کریں۔(۵) اللہ فرماتا ہے: "لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ" (۶) ان کے بیان میں عقل والوں کے لیے یقیناً نصیحت اور عبرت ہے۔(جوناگڈھیؒ) ایک جگہ فرمایا: "فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ" (۷) سو آپ اس حال کو بیان کر دیجیے شاید وہ لوگ کچھ سوچیں۔(جوناگڈھیؒ)

(۱) مباحث فی علوم القرآن: ۳۰۶۔ (۲) قرآن کے فنی محاسن: ۲۲۔
(۳) مباحث فی علوم القرآن: ۸، ۳۰۷۔ (۴) قصص القرآن: ۱/۱۸۔
(۵) سورہ یوسف: ۱۱۱۔ (۶) سورہ اعراف: ۱۷۶۔
(۷) تیسیر المنان فی قصص القرآن: ۱۴، ومباحث فی علوم القرآن: ۳۰۷۔

۲-اثبات رسالت محمد یہ ﷺ: آپ نہ تو شاعر تھے، نہ نثر نگار، اور نہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ علماء یہود ونصاری کی مجلس میں شریک ہوتے تھے، ایسی صورت میں آپ کا احوال انبیاء اور حوادث سابقہ کے بارے میں اطلاع دینا آپ کی نبوت ورسالت کی دلیل ہے۔(۱) اللہ تعالی فرماتا ہے: "ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ" (۲) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں۔(جوناگڈھیؒ) ایک جگہ فرمایا: "نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْآنَ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ"۔ (۳)

۳-دعوت انبیاء میں یکسانیت اور وحدت ادیان: قصص قرآن کا ایک عظیم مقصد اس حقیقت کا اظہار وبیان بھی ہے کہ تمام انبیاء کرام کی بنیادی دعوت یکساں تھی، ان کا دین ایک اور تبلیغ کا محور ایک تھا۔(۴) رب العالمین کا ارشاد ہے: "وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِن رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنَ"۔ (۵) تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجے ان کی طرف وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری عبادت کرو۔(جوناگڈھیؒ) اس کی مثال کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف: ۵۹، ۸۵۔

۴-اسلامی دعوت پر اقوام کے ردعمل میں یکسانیت: قصص قرآن کا ایک مقصد اس امر کی وضاحت ہے کہ زمان ومکان کی تبدیلی سے انبیاء کرام کی دعوتی وحدت کے ساتھ قوموں کے ردعمل میں کوئی فرق نہیں آیا۔(۶) چنانچہ جب حضرت نوح، ہود اور صالح وغیرہم علیہم الصلاۃ والسلام نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا تو ان تمام کا ردعمل تقریبا ایک جیسا ہی تھا، اس کی مثال سورہ ہود: ۲۵، ۵۵، اور اعراف: ۵۹، ۸۵ میں موجود ہے۔

۵-محمد اور امت محمد ﷺ کو ثابت قدم رکھنا: قرآنی قصص سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام انبیاء ورسل اور ان کے متبعین گوناں گوں مصائب وآلام سے دوچار ہوئے لیکن انجام کار ان کا مشن کامیاب ہوا وہ نصرت الہی سے سرفراز کئے گئے، مزید یہ کہ رب العالمین نے ان پر بے شمار انعامات واحسانات کئے، اس کے برعکس مکذبین کی ہلاکت وبربادی ہوئی اور وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوئے، چنانچہ ان واقعات سے آپ کو اور آپ کے متبعین کو ثابت قدمی کا جذبہ، برداشت کی قوت اور دلی تقویت وتسلی حاصل ہوتی تھیں۔(۷) اللہ تعالی فرماتا ہے: "وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ" (۸) اس کی مثال سورہ عنکبوت: ۴، ۱۵ میں موجود ہے۔

(۱) آل عمران: ۴۴۔ (۲) یوسف: ۳۔
(۳) مباحث فی علوم القرآن: ۳۰۷، قرآن کے فنی محاسن: ۳۰۵۔ (۴) انبیاء: ۲۵۔
(۵) قرآن کے فنی محاسن: ۲۱۰، ومقالات الحافظ: ۱۶۔ (۶) مباحث فی علوم القرآن: ۳۰۷۔
(۷) قرآن کے فنی محاسن: ۲۱۸۔ (۸) سورہ ہود: ۱۲۰۔

۶-بشارت ووعید کی تصدیق: قصص قرآن کا ایک غرض عظیم یہ ہے کہ اہل ایمان کو جنت اور اس کے انعامات کی جو بشارت دی گئی ہے اور اہل کفر کو جہنم اور اس کے عذاب کی جو دھمکی دی گئی ہے اس کی تصدیق ہو جائے۔(۱) اللہ کا ارشاد ہے: "نَبِّیءْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ، وَأَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيْمُ" (۲) پھر اسی سورہ میں آگے مغفرت وعذاب کی تصدیق کے لیے ضیف ابراہیم کا واقعہ بیان ہوا ہے۔(حجر:۵۱،۵۳)

۷-بنی نوع انسان کو عداوت شیطان سے متنبہ کرنا: اس کا ایک مقصد نبی نوع انسان کو اس بات سے آگاہ کرنا بھی یہ ہے کہ شیطان انسان کا ازلی وابدی دشمن ہے، وہ انسان کو گمراہ کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا۔(۳) اللہ فرماتا ہے: "وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ". (۴)

۸-خوارق عادات پر اللہ کی قدرت: اس کا ایک مقصد اس امر کا کشف واظہار بھی یہ ہے کہ اللہ خوارق پر قادر ہے، مثلا تخلیق آدم، ولادت عیسی، حضرت ابراہیم اور پرندوں کا واقعہ اور حضرت عزیر کا واقعہ وغیرہ۔(۵)

۹-فوائد فقہیہ: قصص قرآن سے شریعت مطہرہ کے مختلف اہم احکام ومسائل اور ان کے اسرار ورموز اور حکمتوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔(۶)

۱۰-انبیاء ورسل سے محبت کی تلقین: اس کا ایک مہتم بالشان غرض انبیاء کرام واولیاء عظام سے محبت کی تعلیم بھی مقصود ہے۔(۷) یہ کمال ایمان کی دلیل ہے اور دخول جنت کے عظیم اسباب میں سے ہے، ارشاد رسول ﷺ ہے: "المرء مع من أحب" (۸) آدمی اس کے ساتھ ہو جس سے اسے محبت ہے۔

ان کے علاوہ قصص قرآنی کے بے شمار دینی اغراض ومقاصد ہیں، یہاں ان تمام کا استیعاب واستقصاء مقصود نہیں ہے۔

اخیر میں اللہ عز وجل سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو قصص قرآنی کے نتائج سے عبرت وموعظت حاصل کرنے کی توفیق دے اور ان کے ذریعہ ہمارے ایمان وتوحید کو جلا بخشے، آمین۔ وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆

(۱) قرآن کے فنی محاسن: ۲۱۷۔ (۲) حجر: ۴۹،۵۰۔
(۳) مقالات الحافظ: ۱۷۔ (۴) بقرہ: ۱۶۸۔
(۵) قرآن کریم کے فنی محاسن: ۲۱۹، ومقالات الحافظ: ۱۸۔ (۶) تیسیر المنان فی قصص القرآن: ۱۶۔
(۷) بخاری مع الفتح: ۱۰/۶۸۴، کتاب الادب، باب علامۃ الحب فی اللہ۔

تیمّم کے احکام ومسائل کتاب وسنت کی روشنی میں

(۱) عبدالولی عبدالقوی
مکتب دعوۃ وتوعیۃ الجالیات، سعودی عرب

(۱) تیمم کی مشروعیت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿..... وَإِن كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاء أَحَدٌ مِّنكُم مِّن الْغَآئِطِ أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاء فَلَمْ تَجِدُواْ مَاء فَتَيَمَّمُواْ صَعِيداً طَيِّباً فَامْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَفُوّاً غَفُوراً﴾ (النساء:۴۳)

.....اور اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے، تو تم پاک مٹی سے تیمّم کرلو، اسے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لو، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں ملیں، ایک ماہ کی مسافت تک رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے، میرے لئے تمام روئے زمین کو مسجد اور پاک بنادیا گیا ہے، لہذا میری امت میں سے جس شخص پر بھی نماز کا وقت آجائے وہ وہیں نماز پڑھ لے.....''۔ (بخاری ، التیمم باب قول الله عزوجل : فلم تجدوا ماء ا .....ح: ۳۳۵، مسلم ، المساجد و مواضع الصلاة ح:۵۲۱)

ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے گرچہ دس برس پانی نہ پائے۔

(أبوداود، الطہارۃ باب الجنب تیمّم ح:۳۳۲، ترمذی:۱۲۴، نسائی ۳۲۳، علامہ ناصر الدین البانیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھئے: صحیح أبوداود ا/ ۶۷ ح:۳۲۱، مشکاۃ المصابیح ا/ ح:۵۳۰)

(۲) تیمم کب جائز ہے؟

الف- جب پانی نہ ملے:

پانی کے مظان میں حتی المقدور ڈھونڈھنے پر بھی اگر پانی نہ ملے یا پانی کے حاصل کرنے میں جان کا ڈر ہو یا پانی موجود ہو مگر اس تک رسائی کا سامان نہ ہو، تو ایسی صورت میں بندہ مسلم کے لئے تیمّم جائز ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿..... فَلَمْ تَجِدُواْ مَاء فَتَيَمَّمُواْ صَعِيداً طَيِّباً فَامْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ

عَفُوّاً غَفُوراً﴾ (النساء:۴۳)

اور تمہیں پانی نہ ملے، تو تم پاک مٹی سے تیمّم کرلو، اسے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لو، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے گرچہ دس برس پانی نہ پائے۔

اور اگر راستہ میں کوئی درندہ، دشمن، آگ یا چور ہو جو پانی کے حصول میں رکاوٹ ہو..... یا پانی کے پاس اوباش قسم کے لوگ ہوں جن سے عورت اپنی عزت کا ڈر محسوس کرتی ہو، تو یہ لوگ پانی نہ پانے والے کے حکم میں ہیں اور ان کے لئے تیمّم جائز ہے۔(شرح العمدة لابن تيمية ج ۱ / ۴۳۰، المغنى لابن قدامه ج ۱ / ۳۱۵)

ب- جب سخت ٹھنڈک ہو:

موسم سرما میں پانی سخت ٹھنڈا ہو اور اس کے استعمال سے نقصان لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں تیمّم جائز ہے۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ غزوہ ذات السلاسل کے موقع پر ایک سرد رات میں مجھے احتلام ہو گیا، مجھے ڈر لاحق ہوا کہ اگر غسل کروں گا تو (ٹھنڈک کی شدت کی وجہ سے) مر جاؤں گا، میں نے تیمّم کر کے اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی، جب ہم مدینہ آئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عمرو تو نے اپنے ساتھیوں کو بحالت جنابت نماز پڑھادی؟ تو میں نے آپ ﷺ سے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا اور کہا: میں نے اللہ عزوجل کے اس فرمان کو سنا ہے: ﴿ولا تقتلوا أنفسكم ان الله كان بكم رحيما﴾ اور تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے اور آپ نے کچھ نہ کہا۔

(أبوداود ، الطهارة باب اذا خاف الجنب البرد تيمم ح:۳۳۴، دارقطنى، ۶۷۰، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے : صحيح ابوداؤد ۱ / ۶۸ ح:۳۲۳، ارواء الغليل ج ۱ / ۱۸۱ ح: ۱۵۴، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ دیکھئے: فتح البارى ج ۱ / ۵۴۱

علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں دلیل ہے کہ سخت ٹھنڈک کے وقت تیمّم جائز ہے۔'' (عون المعبود ج:۱/۴۰۶)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''تیمّم اس شخص کے حق میں جائز ہے جو ٹھنڈک یا کسی اور وجہ سے پانی کے استعمال سے موت کا ڈر محسوس کرتا ہو۔'' فتح الباری ج۱/۵۴۱

ج- بیماری یا زخم ہو:

اگر پانی کے استعمال سے بیماری کے بڑھ جانے یا زخم کے ٹھیک ہونے میں تاخیر کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں تیمّم جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿..... وَإِن كُنتُم مَّرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاء أَحَدٌ مِّنكُم مِّن الْغَآئِطِ أَوْ لاَمَسْتُمُ النِّسَاء فَلَمْ تَجِدُواْ مَاء فَتَيَمَّمُواْ صَعِيْداً طَيِّباً فَامْسَحُواْ بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَفُوّاً غَفُوراً﴾ (النساء:۴۳)

.....اور اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے، تو تم پاک مٹی سے تیمّم کرلو، اسے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مل لو، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں نکلے ہم میں سے ایک شخص کے سر پر پتھر لگ گیا اور اس نے سر میں زخم کر ڈالا، پھر اس شخص کو احتلام ہو گیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا، کیا تم لوگ میرے لئے شریعت میں تیمّم کی رخصت پاتے ہو؟ ان لوگوں کے کہا: ہم تمہارے لئے کوئی رخصت نہیں پاتے، کیوں کہ تم پانی پر قادر ہو، (یعنی پانی موجود ہے) اس زخمی نے غسل کیا اور مر گیا، پھر ہم لوگ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ناحق ان لوگوں نے اس کو قتل کیا، اللہ ان کو قتل کرے جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو پوچھ لینا تھا کیوں کہ نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہے اس شخص کے لئے کافی تھا کہ تیمّم کر لیتا.....

أبوداود، ح:۳۳۶، ابن ماجہ ۵۷۲، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، دیکھئے: تمام المنۃ ۱/۱۳۱، مشکاۃ المصابیح ۱/۵۱۱ ح:۵۳۱، ابن السکن نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھئے: تلخیص الجبیر ج۱/ ۱۴۷، شعب الأرنؤ وطنے شواہد کی بناء پر اس حدیث کو حسن کہا ہے، دیکھئے: جامع الاصول ج ۷/ ۲۶۵۔

د- سخت پیاس ہو یا شدت پیاس کی وجہ سے جان کا ڈر ہو:

اگر پانی تھوڑا ہو اور اس بات کا ڈر ہو کہ اگر اس پانی سے وضو کرے تو پیاسا رہ جائے گا، تو ایسی صورت میں پانی کو روک لے اور تیمّم کرے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بعض صحابہ کرام تیمّم کرتے تھے اور پینے کے لئے پانی بچا کر رکھتے تھے۔'' (مسائل امام احمد ج۱/۱۳)

امام ابن المنذر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر مسافر کے پاس پانی ہو اور اسے پیاس کا ڈر ہو تو وہ اپنے پانی کو پینے کے لئے بچا کر رکھے اور تیمّم کرے۔'' (الاوسط لابن المنذر ۲/۲۸)

امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی آدمی کے پاس ایک لوٹا پانی ہو اور وہ کچھ لوگوں کو پیاسا دیکھے تو کیا انہیں پانی پلا دے یا اس پانی سے وضو کرے؟ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: انہیں پانی پلا دے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۱ / ۳۴۴، الشرح الکبیر ج ۲ / ۱۷۶)

ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک آدمی اپنا راستہ طے کررہا تھا کہ اسے شدت کی پیاس لگی، چنانچہ اس نے ایک کنواں دیکھا تو وہ اس کے اندر اتر گیا اور پانی پی لیا، جب وہ باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور مارے پیاس کے مٹی چاٹ رہا ہے، اس آدمی نے اپنے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی اسی طرح پیاس لگی ہوئی ہوگی جیسے مجھے لگی تھی، چنانچہ وہ کنویں میں اترا، اپنے موزے میں پانی بھرا اور اس کے منہ میں ڈال دیا، کتے نے پانی پی لیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا اور اس کی مغفرت فرمادی، لوگ عرض گزار ہوئے: اے اللہ کے رسول! کیا جانوروں کے ساتھ احسان کرنے پر بھی ہمیں ثواب ملتا ہے؟ فرمایا: تر جگر والے ہر جاندار کے ساتھ نیکی کرنے کا ثواب ہے۔'' (بخاری:۶۰۰۹، مسلم، ح:۲۲۴۴)

اور ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک زنا کار عورت نے سخت گرمی کے دن میں ایک کتے کو دیکھا کہ وہ شدت پیاس کی وجہ سے اپنی زبان نکالے ہوئے کنویں کے گرد چکر لگا رہا تھا، تو اس نے اپنے موزے کو نکالا اور اس سے پانی نکال کر اس کتے کو پلایا چنانچہ اس عمل کی وجہ سے اسے بخش دیا گیا۔ (مسلم، ح:۲۲۴۵/۱۵۴/۱۵۵)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ مذکورہ حدیث کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں:

''جب کتے کو پانی پلانے پر یہ اجر ملا تو دیگر مخلوقات احسان کی بدرجہ اولیٰ مستحق ہیں۔'' (المغنی ج۱/۳۴۴)

۳- تیمم کا طریقہ:

۱- دل میں تیمّم کی نیت کریں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اعمال کا دارومدار نیتوں ہی پر ہے،'' چوں کہ نیت دل کے ارادہ کا نام ہے اس لئے زبان سے نیت کرنا جائز نہیں ہے، نیز یہ کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل سے اس کا ثبوت نہیں ہے، اور یہ کہ اللہ دل کے ہر ارادہ سے واقف ہے۔

۲- تیمّم کے شروع میں ''بسم اللہ'' کہیں۔ (ابوداؤد:۱۰۱، ابن ماجہ:۳۹۸)

۳- اپنی دونوں ہتھیلیوں کو پاک مٹی پر ایک بار ماریں، پھر کلائی تک دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر پھیر لیں اور چہرہ پر بھی ایک بار پھیر لیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ﴾ (المائدۃ:۶)

اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو، پھر اسے چہرے اور دونوں ہاتھوں پر مل لو۔

عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک مہم پر روانہ فرمایا، میں جنبی ہوگیا اور مجھے پانی نہ مل سکا تو میں (طہارت حاصل کرنے کے لئے) زمین پر اس طرح لوٹ گیا جس طرح چوپایہ لوٹتا ہے، پھر میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے لے اتنا کافی تھا کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس طرح کرتے''۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک بار زمین پر مارا اور ان پر پھونک ماردی، پھر انہیں اپنے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں پر پھیر لیا۔ (بخاری، التیمم باب المتیمم هل ینفخ فیهما ح:۳۳۸، مسلم، الحیض باب التیمم ح:۳۶۸، سنن أبوداود، الطهارة باب التیمم ح:۳۲۱) ☆☆

(جاری)

علامہ شمس الحق محدث ڈیانوی کا ذوق کتب

مولانا محمد یاسین

معروف مؤرخ مولانا شبلی نعمانی دارالعلوم ''ندوۃ العلماء'' لکھنؤ کی علمی نمائش منعقدہ ۱۴/اپریل ۱۹۰۶ء بمقام ٹاؤن ہال بنارس میں کتب خانہ ڈیانواں مضافات پٹنہ صوبہ بہار مملوکہ علامہ محمد شمس الحق محدث ڈیانوی ؒ کا ذکر کرتے ہوئے ''الندوہ'' جلد۳ شمارہ نمبر۲ میں بعنوان ''نادرالوجود کتابیں'' لکھتے ہیں:

''فن حدیث کی نہایت نایاب کتابیں مولوی شمس الحق صاحب ڈیانوی نے عنایت کی تھیں، جن میں سے متعدد کتابیں ایسی تھیں جو امام بخاری سے پیشتر زمانہ کی تصنیف تھیں''۔ (منقول از مقالات شبلی جلد ہفتم ص ۱۰۴)

علامہ محدث ڈیانوی رحمہ اللہ نے بیک وقت چار ذرائع سے علم حدیث کی خدمت انجام دی۔

۱- بذریعہ درس وتدریس، جس کے ذریعہ طلباء علوم دین کی ایک کثیر تعداد نے آپ سے علمی استفادہ کیا۔

۲- معاصر علماء کی عملی تربیت اور ان کی صلاحیتوں کے اظہار کے لئے نہ صرف مواقع پیدا کیے بلکہ ممکنہ وسائل بھی مہیا کیے تاکہ مسلک سلف محدثین کے احیاء کا کام جاری رہے۔

۳- نادر ونایاب احادیث کی کتابوں کی جمع واشاعت تاکہ جن کتابوں کے حصول کا مرحلہ سخت دشوار تھا وہ بآسانی میسر آسکیں۔

۴- بذریعہ تصنیف وتالیف جو اخلاف کے لیے عظیم علمی خزینہ ثابت ہوسکے۔ (۱)

خصوصی طور پر ذوق کتب کے لئے تین اصحاب الفضیلۃ ماہرین علوم الحدیث کثیر التصانیف ہیں۔ میری مراد یہ شخصیات ہیں:

۱- علامہ ابوالطیب سید نواب صدیق حسن قنوجی بھوپالی المتوفی ۱۸۹۵ء۔

۲- علامہ ابوالطیب محمد شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی المتوفی ۱۹۱۱ء۔

۳- علامہ ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور المتوفی ۱۹۸۷ء۔

سید نواب صدیق حسن قنوجی بخاری کی تصانیف کی تعداد ۲۲۳ ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ سلفیہ لائبریری (لاہور) میں جملہ تصانیف نواب صاحب موجود ہیں۔

فضیلۃ الشیخ مولانا عطاء اللہ حنیف کی خدمات علمیہ پر اشاعت خاص ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور سال ۲۰۰۵ء طبع ہوچکی ہے۔ اسی اشاعت کے صفحہ ۱۵۵ پر نامور مؤرخ اہل حدیث، ہمارے محسن خاص مولانا محمد اسحاق بھٹی، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کی کنیت پر تحریر کرتے ہیں:

''حنیف'' ان کا تخلص تھا، ابوالطیب ان کی کنیت تھی۔ حضرت نواب صدیق حسن خاں کی کنیت بھی ابوالطیب تھی، اور شارح ابوداود مولانا شمس الحق ڈیانوی کی کنیت بھی یہی تھی۔ مولانا ان حضرات کے علم وفضل سے بہت متاثر تھے، اسی لیے انہوں نے اپنے لیے یہ کنیت اختیار کی تھی۔ والدین نے ان کا نام عطاء اللہ رکھا تھا، لیکن وہ حصول برکت کے لیے عام طور پر اپنے نام کے ساتھ محمد کا سابقہ لگاتے تھے''۔

اس مختصر مضمون میں متوسط الذکر عبقری شخصیت علامہ ابی الطیب محمد شمس الحق ڈیانوی محدث کے ذوق کتب کے حوالے سے گزارشات پیش خدمت ہیں۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی علم حدیث پر دیے گئے اپنے لکچرز میں فرماتے ہیں:

''میاں نذیر حسین کے دوسرے شاگرد تھے علامہ شمس الحق عظیم آبادی، یہ اتنے بڑے محدث ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑا محدث کوئی نہیں تھا، یا اگر تھے تو ایک دو ہی تھے تو شاید یہ مبالغہ نہیں ہوگا، انہوں نے دو کارنامے انجام دیئے جو بہت غیر معمولی تھے:

(۱) ان کا ایک کارنامہ تو یہ تھا کہ انہوں نے غایۃ المقصود کے نام سے سنن ابوداود کی شرح لکھی جو بتیس جلدوں میں تھی، بہت افسوس کی بات ہے کہ یہ شرح چھپ نہیں سکی۔

(۲) انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی اور دو شاگردوں کو اس کی تلخیص کے کام پر لگا دیا، یہ تلخیص عون المعبود کے نام پر شائع ہوئی اور آج چھپی ہوئی ہر جگہ ملتی ہے جو سنن ابی داود کی بہترین شرحوں میں سے ایک ہے۔ عون المعبود برصغیر، ایران، بیروت، مصر اور باقی دنیا میں بھی چھپی ہے اور اس کے درجنوں ایڈیشن نکلے ہیں۔ (محاضرات حدیث: ۴۲۹-۴۳۰)

''عون المعبود'' کی تصنیف کے دوران محدث ڈیانوی رحمہ اللہ کی معاونت ان کے برادر صغیر اور بعض دیگر علماء محدثین نے کی جس کا تذکرہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے ''تذکرۃ المحدثین'' جلد اول صفحہ ۲۶۱ تا ۲۶۳ کیا ہے۔ نیز ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ میں بھی مولانا اصلاحی کا ایک مضمون ''عون المعبود کا مصنف کون ہے؟'' اپریل ۱۹۶۱ء میں طباعت پذیر ہوا تھا جس میں ثابت کیا تھا کہ ''عون المعبود'' شیخ علامہ ابوالطیب محمد شمس الحق بن امیر علی ڈیانوی عظیم آبادی کی تصنیف لطیف ہے، دیگر حضرات اہل علم وفضل بمع برادر صغیر محض ان کے معاون تھے۔

محدث شمس الحق ڈیانوی نے حدیث کی عظیم الشان ومعروف کتاب ''سنن دار قطنی'' مصنفہ امام ابوالحسن علی بن عمر الدار قطنی المتوفی ۳۸۵ھ کو پہلی مرتبہ اپنی مفید تعلیقات کے ساتھ شائع کیا۔ متن کی ترتیب میں تین قلمی نسخوں کی مدد سے کی۔ ان کے حواشی وتعلیقات کی نوعیت کا اندازہ ان کے اس بیان سے ہوتا ہے:

"أكتفي فيها على تنقيح بعض أحاديثه وبيان علله وكشف بعض مطالبه على سبيل الايجاز والاختصار". (التعليق المغنى: ۲/۱)

''میں اس میں بعض حدیثوں پر تنقید کر کے ان کی علتیں بیان کروں گا اور مختصر ابعض کے مطالب بھی واضح کروں گا''۔

اس کے مقدمے میں محدث عظیم آبادی نے امام دارقطنی اور ان کی سنن سے متعلق قیمتی معلومات تحریر کی ہیں، یہ کتاب بڑی تقطیع کی دو جلدوں میں مطبع فاروقی دہلی سے ۱۳۱۵ھ میں شائع ہوئی اور اس کے بعد اب متعدد مقامات سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔

"تذكرة النبلاء في تراجم العلاء" علامہ محدث ڈیانوی کی غیر مطبوعہ فارسی تصنیف ہے، اس کا قلمی مسودہ صاحب ''نزھۃ الخواطر'' مولانا سید عبدالحئی حسنی (والد گرامی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کو ''نزھۃ الخواطر'' کی تصنیف وتالیف کے لیے ارسال کیا تھا۔ ''نزھۃ الخواطر'' کے متعدد مقامات پر علامہ ڈیانوی کے اس مسودے کے حوالے بھی موجود ہیں، لیکن یہ مسودہ واپس ڈیانوی صاحب تک اور ان کے اخلاف کو نہیں پہنچا، جبکہ یہ مسودہ ڈیانوی صاحب نے بغرض استفادہ وعاریۃً ارسال کیا تھا۔ مولانا عبدالحئی حسنی کے اخلاف کے لیے مناسب ہے کہ وہ شرعی واخلاقی ضابطوں کی پاسداری کرتے ہوئے یہ مسودہ ڈیانوی صاحب کے اخلاف کو واپس کر دیں۔

''نور العین من فتاوی الشیخ حسین'' علامہ شیخ حسین بن محسن یمانی انصاری المتوفی ۱۳۲۷ھ کے فتاوے جنہیں ان کے صاحبزادے شیخ محمد نے مرتب کیا ہے، اس کی صرف پہلی جلد ۱۳۲۲ھ کو لکھنؤ سے طبع ہوئی، اس کی ترتیب میں علامہ ڈیانوی صاحب نے بڑی دلچسپی لی تھی۔

اسی طرح ''فتاوی نذیریہ'' شیخ الکل سید میاں نذیر حسین محدث دہلوی المتوفی ۱۹۰۲ء کی جمع وترتیب میں بھی علامہ ڈیانوی کی خصوصی دلچسپی اور کاوش کا ذکر ملتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرت النعمان'' میں ائمہ حدیث اور جماعت محدثین سے متعلق توہین واستخفاف کا ارتکاب کیا تھا، اس کا مثبت ومدلل جواب علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی نے "حسن البيان فيما فى سيرة النعمان" کے عنوان سے دیا۔ ''حسن البیان'' بھی علامہ ڈیانوی کے ایماء ومشورہ اور تعاون علمیہ سے تحریر کی گئی ہے۔ ''حسن البیان'' کی تصنیف کے لیے سید عبدالحئی حسنی صاحب ''نزھۃ الخواطر'' کو خطوط لکھے، اس میں مولانا شبلی نعمانی کے لیے پیغام دیا، بلکہ خود نعمانی صاحب کو بھی خط لکھا۔ ''سیرت النعمان'' میں مناقب الشافعی لابن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ھ) کا حوالہ ہے، یہ کتاب ایک ماہ کے لیے عاریۃً مانگی۔ کتنا ولولہ، تڑپ ودرد تھا حفاظت حدیث، دفاع فکر محدثین عظام کے لیے۔

مولانا شبلی نعمانی المتوفی ۱۹۱۴ء نے اپنی کتاب ''سیرۃ النعمان'' میں محدثین پر عموماً اور امام محمد بن اسماعیل بخاری اور ان کی صحیح بخاری پر خصوصاً تنقید کو مشغلہ بنایا، مکمل کتاب کا جواب محدث ڈیانوی نے ''حسن البیان'' کی شکل میں تیار کروایا۔ امام بخاری اور ان کی صحیح بخاری کے لیے ''سیرت البخاری'' میں اعتراضات شبلی علی البخاری کا بھرپور جواب مولانا عبدالسلام مبارکپوری المتوفی ۱۳۴۲ھ سے لکھوایا۔ ہر طرح کی علمی معاونت کی اور طباعت کے بعد اس کے ایک سو نسخے خریدنے کا وعدہ

بھی کیا، لیکن افسوس کہ مولانا محدث ڈیانوی اس کی اشاعت سے چند ماہ قبل ہی ۱۹۱۱ء کو انتقال کر گئے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بے نظیر کتاب ہے۔ محدث ڈیانوی کی معاونت علمی سے متعلق خود مولانا عبدالسلام مبارکپوری ''سیرت البخاری'' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''ایک مدت سے میرے دماغ میں امام المحدثین کی سوانح عمری لکھنے کا خیال چکر لگا رہا تھا، لیکن بے بضاعتی اور مواد کی قلت کسی طرح اس طرف قدم بڑھانے کی اجازت نہیں دیتی تھی، ایک بار جناب مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق صاحب عظیم آبادی سے اس کا تذکرہ ہوا، علامہ موصوف نے ہمت دلا کر کتابوں کا پشتارہ لگا دیا اور مواد کے فراہم کرنے کے لیے دور دراز ملکوں میں خطوط بھیجے، نسخ مطبوعہ اور قلمیہ برابر میرے پاس بھیجتے رہے، علاوہ بریں خان بہادر خدا بخش صاحب مرحوم سی آئی کا مشہور کتب خانہ ایک غنیمت بارده اور خداداد نعمت تھا۔ میں افسوس سے کہتا ہوں کہ اس اہم کام کے لیے جس قدر مواد کی ضرورت تھی فراہم نہ ہو سکے، تاہم جس قدر مہیا ہو گئے بہت غنیمت ہے اور علامہ ابوالطیب کی علم دوست طبیعت کی برکت و خان بہادر خدا بخش خاں مرحوم کے کتب خانہ کا فیض۔ ان دونوں کا شکریہ کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا''۔

اسی ذوق کتب کے جذبۂ صادقہ کے مطابق ''الحیاۃ بعد المماۃ'' کے مؤلف مولانا فضل حسین مظفر پوری کو اپنا انتیس برس کا جمع کیا ہوا سرمایہ (مواد علمیہ) سوانح عمری میاں صاحب کے لیے نہایت خوشی و فرحت سے بھیج دیا۔

حدیث و سنت اور عقیدۂ سلف کی حمایت و تائید کے لیے ہر وقت پوری طرح کمر بستہ رہتے تھے۔ شریعت مطہرہ قرآن و حدیث کی معمولی مخالفت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ ڈاکٹر عمر کریم حنفی پٹنوی نے ''الجرح علی البخاری'' کے نام سے اور سید عبدالغفور عظیم آبادی نے بھی جب حدیث، ائمہ حدیث اور امام بخاری کے خلاف اپنے تصلب حنفیت کی وجہ سے زبان طنز و طعن کو دراز کیا تو اس کا جواب علامہ ڈیانوی نے اپنے تلمیذ رشید نامور عالم دین مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی المتوفی ۱۳۶۹ھ سے لکھوایا، نیز اس سلسلہ میں ان کی ہر قسم کی مالی اعانت بھی کرتے رہے، مولانا بنارسی کی تمام تصانیف ۱۳۲۹ھ تک کی مطبوعہ کتب کے جملہ مصارف خود مولانا ڈیانوی نے ادا کیے۔ بنارسی صاحب کی تصانیف یہ تھیں: حل مشکلات بخاری، الأمر المبرم لابطال الكلام المحكم، ماء حميم، صراط مستقيم لهداية عمر كريم، الريح العقيم، العرجون القديم ..... خود مولانا سیف بنارسی نے اس تعاون علی البر والتقوی برائے دفاع نبویﷺ کا ذکر اپنی کتاب ''الامر المبرم'' میں کیا ہے۔

مولانا ڈیانوی دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن کے بھی رکن تھے۔

خدا بخش اورینٹل لائبریری بانکی پور پٹنہ میں استفادہ کی غرض سے تشریف فرما ہوتے رہتے تھے۔ مولانا ابوالقاسم سیف

بنارسی ہفت روزہ ''اہل حدیث'' امرتسر مورخہ ۳۱/اکتوبر ۱۹۱۹ء میں اس کتب خانے سے متعلق لکھتے ہیں:

''صوبہ بہار میں خدا بخش خان مرحوم کے کتب خانہ کے بعد جو بانکی پور میں ہے آپ (محدث ڈیانوی) کا کتب خانہ قابل ذکر تھا، لیکن ذخیرہ حدیث وتفسیر واسماء رجال کے لحاظ سے آپ کے کتب خانہ کا نمبر اول ہے''۔

مولانا ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی ۱۰/جولائی ۱۹۰۲ء کو خدا بخش لائبریری تشریف لائے اور یہاں سے استفادہ کے بعد وہ تاثراتی رجسٹر میں رقمطراز ہوئے:

''آج بتاریخ ۱۰/جولائی کو ہم اس مبارک کتب خانہ میں آئے .....اور تحفۃ الاشراف للحافظ المزی اور دیگر کتب قلمیہ نادرۃ العصر کو خوب اچھی طرح سے مطالعہ کیا۔ اللہ تعالی اس کتب خانہ کو قائم وباقی رکھے اور اس کے منتظم ومہتمم کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔'' (ماہنامہ ''قومی زبان'' کراچی، ستمبر ۱۹۸۹، مضمون: ''مشاہیر کی چند نادر تحریریں'' از عطاء خورشید)

خود ذاتی کتب کے لیے کتابوں کے حصول کا کیا ذریعہ تھا؟ مولانا شفیع احمد بہاری لکھتے ہیں:

''دو تین ذرائع ایسے تھے جن سے مولانا کے یہاں کتابیں پہنچتی رہتی تھیں، آپ کا ابر کرم چونکہ ہر شخص کو سیراب کیا کرتا تھا، اس لئے عرب سائل، نیز طلبہ جو تعلیم واستفادہ کی غرض سے اقصائے یمن ونجد ومدینہ منورہ (زادھا اللہ شرفا وتعظیما) کے ہوتے۔ بکثرت زیارت کرتے اور اپنے اپنے دامن مقصود کو مالا مال کر جاتے، انہی واردین میں کوئی صاحب اپنے ساتھ قلمی کتاب بھی لے کر آتے اور منہ مانگی قیمت پاتے، مولانا ان کتابوں کو دیکھ کر کلی کی طرح کھل جاتے، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ایک عرب ''مسند ابوعوانہ'' لائے، مولانا مطالعہ میں مشغول تھے، فرط انبساط سے بے خود ہو کر اچھل پڑے اور پوچھا کیا قیمت ہے؟ عرب نے جو قیمت بتائی اس سے زائد ہی دی۔ دوسرے مولانا زین العابدین آروی تھے جن کا قیام حیدرآباد میں تھا، یہ بھی کتابیں فراہم کیا کرتے تھے۔ تیسرے مجیب اللہ بن حبیب اللہ العظیم آبادی بھی تھے، یہ حضرت بھی مولانا کے لیے کتابیں فراہم کرتے رہتے تھے۔'' (ماہنامہ ''برہان'' دہلی، جولائی ۱۹۵۱ء)

ان کے علاوہ مولانا فتح محمد بھی مولانا کے لیے کتابیں فراہم کیا کرتے تھے۔ (حیاۃ المحدث شمس الحق واعمالہ: ۵۶)

مولانا محدث ڈیانوی کے عظیم کتب خانہ کا زیادہ حصہ خدا بخش خان اورینٹل لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ کچھ حصہ حالات کی دست برد سے ضائع ہو گیا۔

ہماری الٰہ العالمین کے حضور دعاء ہے: ﴿ وتوفنا مع الأبرار ﴾ (سورہ آل عمران: ۱۹۳)

ترجمہ: ''اور موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ''۔

☆☆☆

سرزمین دوآبہ میں وہابی تحریک کی سرگرمیاں

سید احمد بریلوی شہید: حیات اور کارنامے

(قسط:۵)

صدیق احمد نفیس احمد
فاضل جامعہ سلفیہ، بنارس

اخلاق و عادات: سید صاحب کے اخلاق حسنہ اور عادات عظمیٰ کو بیان کرنے کے لئے نواب وزیر الدولہ مرحوم کے تاثرات نقل کر دینا کافی ہے۔نواب وزیر الدولہ نے ''وصایا'' میں لکھا ہے کہ سید صاحب خلق میں اکمل اور خلق میں افضل تھے، اور صاف ظاہری و باطنی کے لحاظ سے وہ قدرت کے نشانوں میں سے ایک نشان تھے۔ایمان وعرفان میں ان کا رتبہ بہت اونچا تھا ان کا جسم قوی تھا اور قامت معتدل حواس صحیح تھے، اور فصیح ذہن رساں تھا، اور طبع ذکی و ہمت میں بلند پایہ تھے۔اور عفت میں صاحب امتیاز عقل میں کامل تھے اور فراست میں باکمال شجاعت مروت حلم وحیاء صبر وتواضع اور اتباع شریعت میں یگانہ تھے۔[۱]

اس بیان کی صداقت کو پرکھنا ہے تو سب سے بہترین کسوٹی سید صاحب کی سیرت وسوانح ہے، جس کا بنظر غایر مطالعہ کیا جائے اور حاضر دماغی کے ساتھ ان موتیوں کو تلاش کیا جائے یقین جانئے، سید صاحب تمام اخلاق کے جامع نظر آئیں گے، آپ نے خدمت خلق عفو ودرگذر حلم وبردباری اور مساوات کی ایسی مثال قائم کردی کہ جس کی نظیر بمشکل ہی مل سکتی ہے۔ایک ایسی جماعت جس میں مختلف رنگ ونسل اور زبان ولسان کے لوگ موجود ہوں جن کا مزاج اور تہذیب وتمدن ایک دوسرے سے جداگانہ ہوں، اس کی قیادت وسیادت کی ذمہ داری نبھانا اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ قائد ورہبران تمام صفات سے بیک وقت مزین ومصلح ہوں۔

تصانیف: سید صاحب کے تصانیف میں سب سے زیادہ جس کتاب کو شہرت ملی ہے وہ ''صراط مستقیم'' ہے۔لیکن اس کے علاوہ بھی تین کتابیں آپ کی تصنیف کردہ ہیں۔

صراط مستقیم: اس میں عبارتیں اگرچہ مولانا شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحئی صاحبان کی ہیں لیکن مطالب تمام تر سید صاحب کے ہیں۔

تنبیہ الغافلین: یہ رسالہ فارسی میں تھا، پہلی مرتبہ کلکتہ سے چھپا، اس کا اردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

رسالہ درنماز وعبادات: یہ رسالہ حقیقت الصلوۃ کے نام سے ۱۲۳۷ھ مطابق ۲۱-۱۸۲۲ء میں کلکتہ کے اندر چھپا تھا۔اس کے ساتھ سورہ فاتحہ کی تفسیر بھی تھی۔

رسالہ درنکاہ بیوگاں: یہ بھی فارسی میں ہے اور ابھی تک شاید نہیں چھپ سکا۔[۲]

---

[۱] وصایا حصہ اول ص:۵۲ بحوالہ سداحمد شہید [۲] سید احمد شہید ۲/۸۳۹تا۸۴۰

شاہ اسماعیل شہید: حیات اور کارنامے : شاہ اسماعیل شہید، شاہ عبدالغنی کے اکلوتے بیٹے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے شاہ عبدالعزیز محدث شاہ رفیع الدین محدث اور شاہ عبدالقادر محدث کے بھتیجے تھے۔ یہ ایسا علمی خاندان تھا جس کا ہر فرد آسمان علم کا ایک درخشاں ستارہ تھا۔لیکن شاہ اسماعیل کو بلند پایہ نسبتوں سے کہیں زیادہ حسن عمل اور بہترین کردار سے شہرت ملی مستند روایت کے مطابق ۱۲/ ربیع الآخر ۱۱۹۳ھ مطابق ۲۹/ اپریل ۱۷۷۹ء کو اپنی ننہال پھلت ضلع مظفرنگر میں پیدا ہوئے۔[۱] ابتدائی تعلیم اپنے والد مکرم شاہ عبدالغنی متوفی ۱۶/ رجب ۱۲۰۳ھ سے کیا۔ان کی وفات کے بعد چچا شاہ عبدالقادر نے آپ کو اپنی تربیت میں لیا۔اوران کی صاحبزادی زینت سے آپ کا نکاح بھی ہوا۔شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین سے بھی اکتساب فیض کرتے رہے۔غیر معمولی ذہین تھے۔دوران سبق رواں رواں مطالعہ پڑھتے چلے جاتے استاذ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت کی محسوس نہ کرتے آپ ایسے مرد مجاہد تھے کہ قلم زبان اور سیف تینوں کے بیک وقت اچھے شہسوار تھے۔سہ شنبہ اور جمعہ کو دربار شاہی میں وعظ فرماتے۔سید صاحب لکھتے ہیں کہ تمام جمعہ کے لئے ایسی کثرت ہونے لگی جیسے عیدگاہ میں نماز عیدین کے لئے ہوا کرتی تھی۔اور جب اپنی وعظ تقریر میں جہاد فی سبیل کے مسائل بیان فرمانے لگے تو بقول سرسید مسلمانوں کا آئینہ باطن مصفی اور مجلّہ ہوگیا اور وہ راہ حق میں اس طرح سرگرم عمل ہوئے کہ ہر شخص بے اختیار چاہنے لگا کہ اس کا سر فی سبیل اللہ فدا ہو اور اس کی جان دین محمدی کا علم بلند کرنے کے سلسلے میں کام آئے۔ [۲]

راہ جہاد میں کوچ کرنے سے قبل آپ جامع مسجد کی سیڑھیوں سے حق کی آواز بڑی بے باکی اور جرأت قلبی کے ساتھ بلند کرتے رہے۔علامہ ابوالکلام آزاد اس کے متعلق رقمطراز ہیں دعوت واصلاح جماعت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوئلہ کے حجروں میں دفن کردیئے تھے۔اب اس میں سلطان وقت اور سکندر اعظم کی بدولت شاہ جہاں آباد کے بازاروں اور جامع کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا۔اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔جن باتوں کے کہنے کہ بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی۔وہ اب سرے بازار کہیں جارہی تھیں۔[۳]

اطاعت امام کا یہ عالم تھا کہ سید صاحب کے سامنے بالکل بے حس وحرکت رہتے تھے یہاں تک کہ بڑی مشکل سے کسی بات کا جواب دیتے تھے لیکن ساتھ ہی حق کی خلاف ورزی کو کبھی بھی برداشت نہیں کی۔اہل مروان سے اس شرط پر ضلع کرلی کہ لشکر قصبہ میں داخل نہ ہو، اوراس کی مفصل روداد سید صاحب کو لکھ کر بھیج دی۔اتفاقاً وہ اطلاع سید صاحب تک نہ پہونچ سکا اور آپ لشکر کے ساتھ قصبہ میں داخل ہوگئے۔شاہ صاحب نے سید صاحب کے سامنے پہونچتے ہوئے فرمایا کہ جناب خود خلاف شروع امر کے مرتکب ہوئے لشکر اسلام میں سے ایک آدمی کے عہد کا ایفاء بھی امام اور پورے لشکر پر واجب ہوتا ہے۔مجھے آپ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا تھا لیکن میرے عہدہ کا بھی خیال نہ رکھا اور قصبے میں داخل ہوگئے۔یہ لشکر ہے جسے میدان میں ٹھہرنا

---

[۱] حیات طیبہ ص:۲۶ [۲] آثار الصنادید بحوالہ جماعت مجاہدین

[۳] موج کوثر ص:۳۸

چاہئے۔پیرزادوں کا قافلہ نہیں کہ قصبے میں گھس آئے۔[۱]

جہاد: ۷/ جمادی الاخری ۱۲۴۱ھ کو سید صاحب کے ساتھ راہ ہجرت میں قدم رکھا اور اپنے پیرومرشد کی رفاقت میں مشہر بالا کوٹ تک آپ جہاد کرتے رہے۔دوران جہاد آپ کے کارنامے کو اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

۱- آپ تمام انتظامات میں سید صاحب کے مشیر خاص تھے۔

۲- سید صاحب کے لئے امامت جہاد کا پورا بندوبست آپ ہی نے کیا تھا۔

۳- جنگ میں جان پر کھیل کر سید صاحب کو محفوظ مقام پر پہونچایا۔

۴- بیعت شریعت کے سلسلے میں علماء سرحد سے تمام گفتگو آپ ہی نے کی۔

۵- جنگ زیدہ میں صرف سات سو مجاہدین سے درانیوں کی آٹھ دس ہزار فوج کو شکست فاش دی۔

۶- جنگ شنکپاری میں تھوڑی سی جمعیت سے سکھوں کے بہت بڑے لشکر کو شکست دی۔گولیوں سے آپ کی قبا چھلنی ہوگئی ایک انگلی بھی زخمی ہوئی جسے دکھا کر آپ مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہماری انگشت شہادت ہے۔

۷- مایار کی جنگ میں درانی فوج بارہ ہزار سے کم نہ تھی اور مجاہدین صرف ساڑھے تین ہزار تھے تاہم درانی مقابلے میں نہ ٹھہر سکے۔

۸- پشاور میں تمام گفتگوئیں سید صاحب کی طرف سے آپ ہی نے کی تھی۔[۲]

غرض آپ سید صاحب کی پوری تحریک جہاد میں اول سے آخر تک روح رواں بنے رہے۔بالآخر بالاکوٹ کے میدان میں یہ مرد مجاہد اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۱۸۳۱ء کو جام شہادت نوش فرمائی۔[۳] اور زبان حال سے کہہ گیا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تصانیف: لسان وسیف کے غازی تو آپ تھے ہی، اس کے ساتھ آپ کے رہوار قلم کا کوئی ثانی نہیں تھا، آپ کی کی تصانیف تقریباً دس تک پہونچتی ہیں۔

۱- ایضاح الحق الصریح فی أحکام ا لمیت والصریح
۲- منصب امامت
۳- عبقات
۴- تقویۃ الایمان
۵- تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین
۶- اصول فقہ
۷- منطق میں ایک رسالہ
۸- صراط مستقیم کا پہلا حصہ
۹- ایضاح الحق الصریح
۱۰- یک روزی

[۱] جماعت مجاہدین ص:۱۲۲ [۲] جماعت مجاہدین ص:۱۲۱ [۳] حیات طیبہ ص:۳۶۹

مولوی فضل حق خیر آبادی نے تقویۃ الایمان پر کچھ اعتراضات کئے تھے آخر الذکر رسالہ اسی کے جواب میں ایک ہی نشست میں لکھا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سی کتابوں پر آپ نے حاشیے لکھے جو ضائع ہو گئے، کچھ منظومات بھی آپ کی طرف منسوب ہیں۔ مثلاً ایک نعتیہ قصیدہ فارسی میں، ایک قصیدہ سید صاحب کی مدح میں، توحید پر ایک مثنوی، فارسی میں موسوم ''بہ سلک نور'' اور اسی نام کی ایک مثنوی اردو میں بھی ہے۔ [۱]

یہ تصانیف ایک ایسے قلمکار کی ہیں جس نے اپنی زندگی کا کثیر حصہ میدان جنگ میں اعدائے اسلام سے مورچہ لیتے ہوئے گذارا، اس سے آپ کی تبحر علمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، تحریک مجاہدین نہ صرف جہاد فی سبیل اللہ کی تحریک تھی بلکہ اس تحریک نے اپنے آغوش تربیت میں ایسے باکمال صاحب علم وفضل اہل زہد وورع حاملین کتاب وسنت صبر واستقامت کے پیکر علماء وفضلاء کو پالا ہے جس کی نظیر ماضی قریب میں ملنا ناممکن تو نہیں لیکن دشوار ضرور ہے، سید صاحب کے خلفاء اور نائبین کی ایک طویل فہرست شمار کرائی جاتی ہے لیکن میں ان میں چند ایک حالات قلمبند کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

مولانا عبدالحئی: عبدالحئی بن ہبۃ اللہ بن نور اللہ ضلع مظفر نگر کے ایک گاؤں بڈھانہ آپکا وطن ہے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کے پھوپھا اور خسر تھے۔ تعلیم دہلی میں خود شاہ صاحب اور ان کے بھائیوں سے پائی شاہ صاحب نے بڑی شفقت و محبت سے آپ کی تربیت فرمائی۔ آپ انگریزوں کے عہد حکومت میں میرٹھ کے مفتی عدالت بھی رہے۔ سید صاحب سے بیعت ہوئے مولانا فرمایا کرتے تھے کہ خدا نے مجھے ایسے شیخ کی خدمت میں پہونچایا گویا حضرت کی زیارت نصیب ہوئی، لیکن مجھے ان سے اس کے سوا کوئی غرض نہیں کہ اپنے لئے دعا کراؤں۔ [۲]

آپ نے یمن کے مشہور محدث علامہ شوکانی سے مکاتبتاً حدیث کی سند لی اور ان کی کتاب ''موضوعات'' ہندوستان لائے۔ [۳]

آپ کا وعظ بڑا دل کش اور دل پذیر ہوا کرتا تھا جس کا آغاز آپ نے مدرسہ سے کیا جب سامعین میں جوش وخروش کسی قدر بڑھا تو شاہی مسجد میں خطبہ دینے لگے اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں بزرگ بمنزلۂ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے سید صاحب کے یار غار اور جانثار تھے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب میں حضرت عمرؓ کی طرح جوش وخروش اور جرأت و بہادری تھی اور بدعت کے خلاف وہ اسی طرح تیغ بکف رہتے تھے لیکن مولوعبدالحئی صاحب خاموش طبع تھے اور ان کا ایمان چٹان کی طرح محکم و مضبوط تھا طبیعت میں حضرت ابوبکرؓ کی طرح وقار اور تحمل تھا۔ [۴]

سید صاحب کی مصاحبت میں آپ نے فریضۂ حج کی ادائیگی کی لیکن ہجرت کے وقت سید صاحب نے آپ کو ٹونک میں دیگر مجاہدین کی قیادت کے لئے چھوڑ دیا۔ پانچ مہینے کے بعد سرحد پر پہونچے اور مختلف جنگوں میں شریک رہے آخری عمر

---

[۱] جماعت مجاہدین ص:۱۲۶ [۲] وصایا ص:۱۰۷ بحوالہ جماعت مجاہدین
[۳] جماعت مجاہدین ص:۱۱۰ [۴] موج کوثر ص:۳۷

میں بواسیر کا مرض لاحق ہوگیا اور سوات بونیر کے علاقہ میں ۸/ شعبان ۱۲۴۳ھ میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ [۱]

مولوی نصیر الدین دھلوی: سانحہ بالاکوٹ کے بعد گرچہ شیخ ولی محمد پھلتی اور نصیرالدین بنگلوری مجاہدین کی قیادت کررہے تھے لیکن یہ عارضی قائد تھے۔ چنانچہ دہلی کی اکبرآبادی مسجد میں جہاں بیٹھ کر سید صاحب نے تنظیم جہاد کا آغاز کیا تھا وہاں جماعت کے غیور اراکین نے صلاح ومشورہ کے بعد آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کیا اور مولوی نصیرالدین دہلوی کو تحریک کی باغ ڈور تھمادی گئی۔ مولوی صاحب سید ناصرالدین تھانیسری کی اولاد میں سے تھے ان کی والدہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کی بیٹی اور شاہ ولی اللہ کی پوتی تھیں۔ ننہال کی وجہ سے ان کی تربیت دہلی میں ہوئی تکمیل علوم کے لئے یورپ کا سفر کیا اور اس سلسلے میں ایک زمانہ کلکتہ میں گذارا پھر دہلی واپس آگئے اور شاہ محمد اسحٰق کی خدمت میں رہنے لگے۔ [۲]

سب سے پہلے آپ نے بارک زئی کے سردار دوست محمد خاں والی کابل سے حلیفانہ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کسی حادثہ کی وجہ سے یہ کوشش ناکام رہی ۱۸۳۵ء میں دہلی سے سرحد کے لئے روانہ ہوئے اور ۱۸۳۷ء میں سندھ پہونچ کر قیام کیا، بعد میں ستھانہ تشریف لے گئے اور وہیں ۱۸۳۹ء میں وفات پائی۔ [۳]

نواب وزیرالدولہ فرماتے ہیں کہ سید صاحب کی شہادت کے بعد خلق خدا کی ہدایت، شریعت کے احیاء اور جہاد کا کاروبار بالکل بے آب وتاب سے ہورہا تھا۔ خدا کی رحمت سے مولوی سید نصیرالدین کی بدولت اس کاروبار میں بے اندازہ رونق اور جلا پیدا ہوگئی۔ [۴]

مولانا ولایت علی عظیم آبادی: مولوی نصیرالدین دہلوی کے انتقال پر تحریک مجاہدین کا ایک دور اختتام کو پہونچ چکا تھا شاہ محمد اسحٰق مع خاندان ولی اللہ مکہ ہجرت کرجاتے ہیں جس کے بعد اس عظیم تحریک کا صدر مقام دہلی سے پٹنہ منتقل ہوجاتا ہے اور خاندان صادقپور نئے سرے سے اس کی آبیاری کرنے لگا، جان ومال، زمین وجائداد سب کچھ تحریک کی ارتقاء کے لئے قربان کردیا، مولوی نصیرالدین کے بعد اس تحریک کا بارگراں مولانا ولایت علی عظیم آبادی کے ناتواں کندھوں پر آجاتا ہے جنہیں سید صاحب نے سند خلافت عطا کرکے دعوت وتبلیغ اور مجاہدین کی تخم ریزی کے لئے ہندوستان بھیج دیا تھا۔

یہ جدائی آپ پر شاق گذری تو سید صاحب نے فرمایا تھا کہ: ''مولانا ہم آپ کو تخم بنا کر بھیجنا چاہتے ہیں، [۵] چنانچہ آج بہار، بنگال وغیرہ میں اسلام کی جو کچھ رمق باقی ہے مولانا کا رہین منت ہے، جہاد شروع کرنے سے پہلے آپ نے فریضۂ حج کی ادائیگی کی اور یمن کے مشہور محدث علامہ شوکانیؒ سے سند حاصل کی، مراجعت وطن کے بعد موصوف نے سب سے پہلے اپنے بھائی عنایت علی کو سرحد روانہ کیا، پھر خود کوچ کرگئے اور جماعت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی، ڈیڑھ سال سے زیادہ آپ

---

[۱] تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں ص: ۲۴۱ [۵] موج کوثر ص: ۴۱

[۳] موج کوثر ص: ۴۵ [۴] موج کوثر ص: ۴۶

[۵] سوونیر ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء ص: ۷ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۴۰

کو وہاں مہلت نہ ملی تھی کہ رحمت الٰہی نے یاد کیا اور آپ سید صاحب کی شہادت کے بعد ۲۲/ سال بعد محرم ۱۲۶۹ھ مطابق اکتوبر ۱۸۵۲ء میں دار فانی سے دار البقا کی طرف کوچ کر گئے۔ ۱

آسماں تری لحد پر شبنم افشانی کرے

مولوی عنایت علی غازی: ۱۸۵۲ء میں آپ کے بڑے بھائی مولانا ولایت علی کی وفات کے بعد آپ مجاہدین کے امیر منتخب ہوئے مولانا مہر لکھتے ہیں کہ مولوی صاحب کو سید صاحب نے بنگال میں ترغیب جہاد کے لئے خلیفہ بنا کر بھیجا تھا لیکن موصوف سرحد پر مجاہدین سے جدا نہیں ہونا چاہتے تھے، سید صاحب نے فرمایا'' آپ کا وہاں رہنا واسطے کوشش خیر کے گویا ہمارے ساتھ یہاں رہنا ہے۔ ۲

آپ کا دائرہ عمل مرکزی بنگال تھا، جہاں آپ نے نہایت جانفشانی اور دلجمعی کے ساتھ دعوت دین اور ترغیب جہاد میں ایک طویل عرصہ گزارا اسی تبلیغ اور محنت شاقہ کا نتیجہ تھا کہ بنگال کی سرزمین تیس، چالیس برس تک مجاہدین سرحد کے لئے آدمی اور روپیہ فراہم کرتی رہی۔

آپ کی کوششوں کا دوسرا مرکز میدان جہاد تھا، جہاں آپ کو اس قدر کامیابی نصیب ہوئی کہ آپ کو غازی کا خطاب ملا، آپ شاہ اسماعیل شہید کے مماثل تھے، آپ کا آخری دور بہت صبر آزما اور ابتلا و آزمائش کا دور تھا، فاقے پر فاقے کئے لیکن آپ بھی صبر و استقامت کے پہاڑ تھے، اس دوران مختلف جھڑپیں بھی ہوتی رہیں، بالآخر ستھانہ جاتے ہوئے جمنی کے مقام پر غالباً ۲۲/ مارچ ۱۸۵۸ء کو انتقال کر گئے۔ صاحب ''تذکرۂ صادقہ'' آپ کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں ''مگر اس صبر و استقامت کے کوہ نے نہایت حلم و رضامندی کے ساتھ ''اللھم بالرفیق الأعلیٰ'' سے زبان تر کرتے ہوئے بعارضہ بخار وضیق النفس ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۸ء کے آخر میں سجن المومن سے جنت نعیم کو رحلت کر گئے۔ ۳

اس کے علاوہ اور بہت سی عبقری اور یکتاء زمانہ ہستیاں ہیں جنہیں اس تحریک نے اپنے آغوش محبت میں سمولیا، مثلاً مولوی نوراللہ، میر مقصود علی اور مولانا عبداللہ صادق پوری جنہوں نے مولوی عنایت علی کے بعد بالترتیب اس تحریک کی قیادت کی۔

مولوی کرامت علی جونپوری، صوفی نور محمد جانگامی اور مولانا امام الدین وغیرہم نے اندرون ہند میں تبلیغ و اشاعت دین اور ترغیب جہاد کا ایک منظم سلسلہ قائم کر رکھا تھا۔ اس مختصر سے مقالہ میں ان تمام کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے میں اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اللھم اغفرلھم وارحمھم واحشرھم فی زمرۃ المھاجرین الذین ھاجروا وجاھدوا مع نبیك محمد ﷺ "آمین" تقبل یا رب العلمین۔

☆☆☆

۱ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص: ۴۸ ۲ موج کوثر ص: ۴۹
۳ تذکرہ صادقہ ص: ۱۳۸ بحوالہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

شہادت حسینؓ ایک تحقیقی جائزہ

(قسط:۳) تحریر: أبو عبد الله الذهبي / ترجمہ: عبد الغفار سلفی

شہادت حسین کے متعلق جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے، یہی علماء کے مابین متداول اور متفق علیہ ہے اور اس سے زائد جو روایات آئی ہیں تو بعض تو ان میں سے صحیح ہیں لیکن بعض ضعیف اور بعض بالکل من گھڑت ہیں، اور تمام منقولات کے سلسلے میں اہل علم کے درمیان وہی مصنفین زیادہ جانکار اور سچے مانے جاتے ہیں جو محدثین میں سے ہوں کیونکہ یہ لوگ ثقہ راویوں سے منقول روایات کو بھی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور جو روایت بغیر سند کے ذکر کرتے ہیں تو وہ بھی ایسے راوی کی روایت ہوتی ہے جو صحت کے قریب ہو، اس کے برخلاف اخباریوں اور قصہ گو حضرات کی وہ روایات جو سند کے ساتھ ہوتی ہیں ان میں سے زیادہ تر کذاب اور مجہول رواۃ سے منقول ہوتی ہیں اور خود روایات بغیر سند کے لاتے ہیں تو ان میں تو تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوتی ہیں، کسی میں کم کسی میں زیادہ۔

اہل ہویٰ وغیرہ عام طور سے اعتماد ہی ایسے نقولات پر کرتے ہیں جن کا قائل سرے سے معلوم نہ ہو، نہ ثقہ نہ ضعیف، ان کے نزدیک گھڑا ہوا جھوٹ بالکل معمولی چیز ہوتا ہے، ان کے یہاں سب سے بڑا عالم وہی ہوتا ہے جو قابل اعتماد نقولات کی طرف رجوع نہ کرتا ہو بلکہ اس کا مرجع جاہلوں اور کذابین کی سنی سنائی باتیں اور صریح جھوٹی روایات ہوں۔

یہی حقیقت ہے اگرچہ دردناک ہے، اصلیت اتنی ہی ہے یزید اور قتل حسینؓ کا معاملہ اسی قدر ہے، اب خواہ آپ اسے تمام تر تفصیلات کے ساتھ ذکر کریں یا اسی طرح بند رہنے دیں، رہ گئی اس واقعے کی وہ شکل جو زبانوں پر رائج ہے تو وہ تدلیس وتحریف کے سوا کچھ بھی نہیں۔

لیکن ذرا ٹھہریئے! آیئے ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی جانب سے (یزید کی) مخالفت کا جائزہ لیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یزید بن معاویہ کی مخالفت کرنا اور پھر عراق کی جانب اقدام کرنا اور پھر اس کے بعد آپؓ کا شہید ہونا، یہ سب بہت سارے اشکال پیدا کرتا ہے، یہ اشکال اس کیفیت اور نتیجہ کے سلسلے میں نہیں ہے جو حضرت حسینؓ کی شہادت سے پیدا ہوا تھا بلکہ یہ اشکال اس سلسلے میں ہے کہ حضرت حسینؓ کے اس معارضہ پر نصوص نبویہ کی روشنی میں کیا حکم شرعی لگایا جائے گا؟

چنانچہ حضرت حسینؓ ویزید کے باہمی معارضہ اور اس حادثہ کے متعلق جو خاص تاریخی روایات ہیں ان پر صحیح طریقہ سے غور وفکر نہ کرنے کی بنا پر بعض حضرات یہ موقف اختیار کر بیٹھے ہیں کہ حضرت حسینؓ خروج علی الامام کے مرتکب تھے اور جو

کچھ ان کے ساتھ ہوا وہ ان کے اس عمل کا منصفانہ بدلہ تھا، ان حضرات نے ان نصوص سے استدلال کیا ہے جو امراء کے خلاف خروج کرنے والے کے سلسلے میں وارد ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو شخص مسلمانوں کے درمیان تفریق کرنے کا ارادہ کرے جب کہ وہ باہم متفق ہوں تو ایسے شخص کو تلوار سے مار ڈالو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

سیوطیؒ کہتے ہیں: یعنی اس کو مار ڈالو خواہ وہ کوئی شریف آدمی ہو یا نچلے طبقے کا ہو عموم کا لحاظ کرتے ہوئے۔

امام نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: اس شخص سے قتال کا حکم ہے جو امام کے خلاف خروج کرے یا مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کرنا اس کا مقصد ہو وغیرہ وغیرہ اور ایسے شخص کو اس کے عمل سے روکا جائے گا، اگر نہیں باز آیا تو اس سے قتال کیا جائے گا اور اگر اس کے شر کا دفعیہ اس کے قتل ہی سے ممکن ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کا خون ''ہدر'' (بے قیمت) ہوگا۔

مذکورہ حدیث میں اور اس جیسی دیگر احادیث میں نبی ﷺ کی یہ تاکید وارد ہے کہ مسلمانوں کے حاکم کے خلاف خروج کرنے والے کی جزا قتل ہوگی، کیونکہ اس کا یہ خروج کرنا مسلمانوں کے شیرازے کو منتشر کرنے کے لئے ہے، اور اسی قسم کی احادیث پر جمود کی بنا پر ایک فرقہ ''کرامیہ'' یہ کہنے لگا کہ (معاذ اللہ) حضرت حسینؓ یزید کے باغی تھے اور قتل کی سزا ان کے حق میں صحیح تھی۔

دوسری طرف کچھ لوگ اس جانب گئے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خروج جائز تھا، ان لوگوں نے ان کے اس عمل کو مشروع گردانا ہے، اور اس سلسلے میں ان کا مستدل حضرت حسینؓ کی افضلیت اور یزید کا ان کے مساوی نہ ہونا ہے۔ (۲۷)

کچھ لوگوں نے حضرت حسینؓ کے خروج کو شرعی خروج مانا ہے اور اس کی وجہ ان کے نزدیک یزید سے منکرات کا صدور ہے۔ لیکن جب ہم حضرت حسینؓ کے اقدام اور واقعۂ شہادت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم یہ پاتے ہیں کہ معاملہ ویسا نہیں ہے جیسا ان دونوں فریقوں نے سمجھا ہے بلکہ حضرت حسینؓ نے تو سرے سے یزید کی بیعت ہی نہیں کی تھی اور مکہ میں الگ تھلگ جمے ہوئے تھے یہاں تک کہ ان کے پاس اہل کوفہ کے متعدد خطوط پہنچے جن میں کوفہ آنے کا مطالبہ تھا، جب حضرت حسینؓ نے بیعت کرنے والوں کی یہ کثرت دیکھی تو یہ گمان کر بیٹھے کہ اہل کوفہ یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے کوفہ کی جانب اقدام کیا، لہذا حضرت حسین کسی ایسی شرعی غلطی کے مرتکب نہیں ہوئے جو نصوص کے خلاف ہو، خاص طور سے اس صورت میں جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ احادیث کا ایک حصہ خروج کی نوعیت کو واضح بھی کرتا ہے، ملاحظہ ہو:

ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ سے آپ نے فرمایا جس کسی نے اللہ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تو قیامت کے دن اس کے پاس (اپنے دفاع کے لئے) کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ جماعت سے الگ

ہوتو جاہلیت کی موت مرا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: فرض نماز اپنے بعد والی نماز تک دونوں نمازوں کے درمیان کے (گناہوں کے) لئے کفارہ ہے اور جمعہ جمعہ تک (اور مہینہ یعنی رمضان اگلے رمضان تک دونوں کے درمیان کے لئے کفارہ ہے، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا سوائے تین (گناہوں) کے۔

اور باوجود اس کے کہ اکابر صحابہ نے حضرت حسینؓ کو ڈرایا اور نصیحت کی لیکن انہوں نے سب کی رائے سے اختلاف کیا، اور ان کا یہ اختلاف ایک دنیوی چیز کی وجہ سے تھا، اکابر صحابہ کرام جانتے تھے کہ عنقریب وہ قتل کر دیئے جائیں گے اور ان کی جان کو خطرہ لاحق ہوگا، کیونکہ وہ اہل عراق کی دروغ گوئی سے خوب واقف تھے، اور حضرت حسینؓ جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے تھے بلکہ انہوں نے یہ گمان کرلیا تھا کہ لوگ ان کی اطاعت کریں گے، چنانچہ جب انہوں نے خود سے لوگوں کو رخ پھیرے ہوئے دیکھا تو انہوں نے اپنے وطن کی جانب لوٹنے یا معرکۂ جہاد میں جانے یا یزید کے پاس آنے کا مطالبہ کیا۔ لیکن ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کے ان مطالبوں کے مقابلہ میں سرکشی سے کام لیا جب کہ اس کو چاہئے تھا کہ ان کا کوئی بھی ایک مطالبہ قبول کرلیتا لیکن ابن زیاد حضرت حسینؓ سے ایک بہت بڑی چیز کا مطالبہ کر بیٹھا، اور وہ یہ کہ حضرت حسینؓ خود کو اس کے حوالے کردیں، فطری بات تھی کہ حضرت حسینؓ اس پیشکش کو ٹھکرادیں اور انہیں اس کا حق حاصل تھا کیونکہ ابن زیاد کے فیصلے کے تابع ہوجانے کی انتہاء کہاں ہوگی؟ اس کا علم صرف اللہ کو تھا، نیز اس میں حضرت حسینؓ کی توہین بھی تھی اور ان کی توہین ایک بڑی چیز تھی، پھر اس قسم کی پیشکش تو رسول ﷺ جنگ کرنے والے کفار کو کرتے تھے۔ اسی لئے شیخ الاسلامؒ منہاج السنۃ میں فرماتے ہیں: ابن زیاد نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ خود کو ان کے حوالے کردیں حالانکہ یہ چیز کسی طور ان پر لازم نہ تھی۔

درحقیقت (اس پورے معاملے میں) ابن زیاد ہی ہے جس نے شرعی اور سیاسی دونوں طور پر صحیح رخ کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت حسینؓ کے قتل کا اقدام کیا۔

جہاں تک ابن عمرؓ کی حدیث میں رسول ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ''اگر کوئی دوسرا شخص نزاع کرنے کے لئے آئے تو دوسرے کی گردن ماردے''۔ (۳۱) تو حضرت حسینؓ اس حدیث کے دائرے میں قطعاً نہیں آتے کیونکہ انہوں نے تو فریق مخالف کو صلح کی پیشکش کی تھی لیکن ان سب نے اسے درخور اعتناء نہیں سمجھا اور پھر وہ اہل کوفہ کے بلانے پر آئے تھے نہ کہ از خود، چنانچہ امام نووی اس حدیث پر تعلیقاً فرماتے ہیں:

''آپ ﷺ کا فرمان کہ دوسرے کی گردن ماردو، اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کو دفع کرو کیونکہ وہ خروج علی الامام کا مرتکب ہے، پس اگر اس کا دفعیہ جنگ وجدال ہی سے ممکن ہو تو اس کو قتل کردو۔ (شرح مسلم: ۲۳۴/۱۲) ثابت ہوا کہ ظالم ابن

زیاد اور اس کا وہ لشکر جس نے حضرت حسینؓ کے قتل کا اقدام کیا اور آنجناب کی صلح کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

(یہاں ایک بات یہ بھی سمجھ لینی چاہئے کہ) صحابۂ کرام نے حضرت حسینؓ کو جو نصیحتیں کی تھیں وہ اس وجہ سے نہیں تھیں کہ ان کے خیال میں حضرت حسینؓ خروج علی الامام کے مرتکب تھے اور خروج کی صورت میں ان کا خون ہدر ہو جاتا بلکہ صحابۂ کرام کو حضرت حسین کے حق میں اہل کوفہ کے خطرے اندازہ تھا اور وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اہل کوفہ جھوٹے ہیں اور ان کی نصیحتوں سے بھی یہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔

علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ (ص ۱۷۲) میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہیں سے حضرت حسینؓ کی غلطی واضح ہوتی ہے، لیکن اس غلطی کا تعلق دنیوی معاملے سے ہے اور یہ غلطی ان کے حق میں مضر نہیں، جہاں تک شرعی حکم کی بات ہے تو حضرت حسینؓ نے اس سلسلے میں کچھ بھی غلط نہیں کیا کیونکہ ان کا مکمل انحصار ان کے گمان پر تھا، اور ان کا گمان تھا کہ وہ (خلافت کی) قدرت رکھتے ہیں، اسی لئے وہ تمام صحابہ کرام جو حجاز، مصر، عراق اور شام میں قیام پذیر تھے اور جنہوں نے حضرت حسین کی تائید نہیں کی تھی ان میں سے کسی نے بھی اس معاملے کو لے حضرت حسین پر نکیر نہیں کی اور نہ ہی انہیں گناہ گار ٹھہرایا، اس لئے کہ حضرت حسینؓ مجتہد تھے بلکہ وہ مجتہدین کے لئے اسوہ ہیں''۔

شیخ الاسلام منہاج السنۃ (۵۵۶/۴) میں فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ کی وہ احادیث جن میں آپ نے جماعت سے جدا ہونے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، اس میں حضرت حسین داخل نہیں، کیونکہ حضرت حسین جماعت سے الگ نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنے ملک لوٹنے یا سرحد پر جانے یا یزید کے پاس جانے کے ان کے مطالبات کے باوجود ان کو قتل کیا گیا تھا، وہ جماعت میں داخل تھے اور امت کے افتراق سے دور تھے، اور جو مطالبہ انہوں نے کیا تھا اگر کوئی معمولی آدمی بھی کرتا تو وہ قابل قبول ہوتا تو حضرت حسینؓ کا مطالبہ کیوں نہ قبول کیا جاتا؟''

دوسرے مقام (۳۶۰/۶) پر شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

انہیں اس حال میں نہیں قتل کیا گیا تھا کہ وہ طالب حکومت تھے بلکہ تین امور میں سے کسی ایک کے ساتھ پلٹ جانے کی پیش کش کے باوجود انہیں قتل کیا گیا تھا، بلکہ انہیں اس حال میں قتل کیا گیا تھا کہ وہ اپنی ذات سے غلامی کو دفع کر رہے تھے، لہذا ان کا قتل مظلومانہ تھا۔

(جاری)

☆☆☆

اخبار جامعہ

تعلیمی سال ۲۰۰۹-۲۰۱۰ء کا اختتام

سالانہ امتحان اختتام پذیر

جامعہ سلفیہ بنارس کے تعلیمی سال ۲۰۰۹-۲۰۱۰ء کا سالانہ امتحان بروز منگل بتاریخ ۱۸/۵/۲۰۱۰ء سے شروع ہوکر بروز سوموار بتاریخ ۳۱/۵/۲۰۱۰ء بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا، امتحان میں کل ۶۸۸ طلبا شریک ہوئے، جن میں جامعہ کے طلبا کی تعداد ۵۳۰ اور جامعہ کی ۲۰/شاخوں سے آنیوالے طلبا ۱۵۸ رہے۔

واضح رہے کہ شعبۂ حفظ قرآن اور تجوید کے طلبا کی تعداد اس کے علاوہ ہے، حاضری کے مطلوبہ معیار پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے مختلف درجات کے ۱۶/طلبا کو امتحان میں شرکت سے روک دیا گیا۔

امتحان داخلہ

جامعہ سلفیہ بنارس کا تعلیمی سال ۲۰۱۰-۲۰۱۱ء کا داخلہ امتحان بروز بدھ ۳۰/جون ۲۰۱۰ء صبح ۸/بجے جامعہ سلفیہ کی مسجد میں ہوگا، ان شاء اللہ۔ جامعہ میں امسال متوسطہ اولی، عالم اول، فضیلت اول، شعبۂ حفظ وشعبۂ تجوید میں داخلہ ہوگا، اب تک کل ۱۴۰ درخواستیں موصول ہوئیں، جن میں متوسطہ کے لئے ۵۹، عالم اول کے لئے ۳۵، فضیلت کے لئے ۱۷، حفظ کے لیے ۲۶، اور تجوید کے لئے ۳/فارم موصول ہوئے۔ داخلہ کے لیے درخواست دینے والے امیدار وہ وقت مقررہ پر جامعہ میں حاضر ہوں۔ (ادارہ)

× × × × × ×

جا گور غریباں پہ نظر ڈال بہ عبرت — کھل جائے گی تجھ پر تری دنیا کی حقیقت
عبرت کے لئے ڈھونڈ کسی شاہ کی تربت — اور پوچھ کدھر ہے تری وہ شان حکومت
کل تجھ میں بھرا تھا وہ غرور آج کہاں ہے؟
اے کاسۂ سر بول ترا تاج کہاں ہے؟

× × × × × ×

انجمن ندوۃ الطلبہ کے زیر اہتمام تقریری وتحریری مسابقے

طالب علم کی زندگی میں تقریر وتحریر کا فن غیر معمولی اہمیت وافادیت کا حامل ہوتا ہے، اور مسابقہ ان صلاحیتوں میں عمدگی اور نکھار پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے، اسی وجہ سے ذمہ داران جامعہ سلفیہ نے اس کی جانب خصوصی توجہ دی ہے۔

بحمد اللہ حسب سابق امسال بھی ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ کا تقریری وتحریری بزبان اردو وعربی انعامی مسابقے ہوئے، فائزین گرانقدر انعامات (مطبوعات جامعہ کی شکل میں) سے نوازے گئے، اور مسابقے میں شرکت کرنے والے ہر طالب علم کو حوصلہ افزائی وتشجیعی انعام کے طور پر ایک عمدہ کتاب دی گئی اور پوزیشن والے طلبہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

فضیلت اول، ثانی ثالث				
پوزیشن والے طلباء	خطاب اردو	خطاب عربی	تحریر اردو	تحریر عربی
اسامہ احمد صغیر احمد ف۳	اول	اول		اول
عبدالفتاح عبدالودود ف۱	دوم	سوم		
عبدالرحمٰن لطف الحق ف۱	سوم			
شفیق عالم بلال حسین ف۳		دوم		
عبدالحمید عبدالستار			اول	
محمد اسلم محمد اکبر علی ف۲			دوم	سوم
عبدالباری عبدالرشید			سوم	
راشد حسن فضل حق ف۲				دوم
عالم ثانی				
عبدالرحیم محمد یونس	اول			
محمد محسن محمد یونس	دوم			
صفی الرحمٰن اظہر الاسلام	سوم	اول	سوم	اول
محمد حسان عطاء اللہ		دوم		
پرویز عالم بھولا میاں		سوم		
محمد مفیض الدین محمد مزمل حق			اول	دوم
تمیر الدین مجیب الرحمٰن			دوم	
عالم اول				
فرحان عبدالمجید	اول			
ریحان الحق ارشاد احمد	دوم		دوم	
محمد حامد محمد شفیع	سوم	سوم	اول	
حسان ابوالمکرم		اول		اول
شہاب الدین سراج الدین		دوم		
محمد مقیم محمد اسلم			سوم	
حامد مختار مختار احمد				دوم
ضیاء الحق سعید الرحمٰن				سوم

ادارہ محدث تمام فائزین اور شرکاء مسابقہ کو ان کے سنہرے مستقبل اور کامیابی کے لیے دعا کرتا ہے۔ (ادارہ) ☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی
سنٹرل لائبریری، جامعہ سلفیہ

سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ کا بیان

سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز حفظہ اللہ نے اپنے ایک بیان میں دہشت گردی کی پرزور مذمت کرتے ہوئے کہا کہ دہشت گردوں کی مالی مدد کرنا بھی قبیح فعل اور حرام ہے، نیز سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز آل الشیخ کے نام ایک پیغام میں خادم حرمین شریفین شاہ عبداللہ نے کہا کہ نہ صرف یہ کہ دہشت گردی بری حرکت ہے، بلکہ یہ اس مقدس سرزمین پر فساد برپا کرنے کی کوشش اور سعودی عرب کی سیکورٹی اور وسائل کو تباہ کرنے کے مترادف ہے، انہوں نے مزید کہا کہ دہشت گرد سعودی عرب کی اعتدال پسند سوچ کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔

واضح رہے کہ سعودی مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز آل الشیخ نے بھی گذشتہ ماہ فتوی دیا تھا کہ دہشت گردوں کی مالی معاونت غیر قانونی ہے اور ایسا کرنے والوں کو سزا دینی چاہئے۔ (بحوالہ: روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ مورخہ ۹ رمئی ۲۰۱۰ء ص ۱۲)

عظمت صحابہ کانفرنس میں اسلام اور صحابۂ کرام سے متعلق غیر مسلم دانشوروں کے تاثرات:

۱۰-۱۱ راپریل کو منعقدہ ۳۰ ویں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کو دی سنڈے انڈین اردو نے اپنے تازہ شمارہ میں نہایت نمایاں سرخیوں میں شائع کیا ہے۔ اس میں سے چند غیر مسلم دانشوروں کے خیالات وتاثرات کو اختصار کے ساتھ یہاں نقل کیا جارہا ہے:

معروف سماجی کارکن سوامی اگنی دیش نے کہا کہ میں محمد اور ان کے اصحاب میں سے ہر ایک کا مرید ہوں، اور میں محمد کی اس لیے قدر کرتا ہوں کہ انہوں نے ہزاروں سال پہلے دنیا میں توحید کی شمع روشن کی، اور اس کی نشر واشاعت کی، نیز سوامی جی نے کہا کہ توحید میں وہ طاقت ہے کہ وہ تن تنہا پوری دنیا میں انقلاب برپا کرسکتی ہے۔

سابق ممبر پارلیمنٹ مشہور صحافی، وچیف ایڈیٹر ہفت روزہ چوتھی دنیا (ہندی) سنتوش بھارتی نے اپنے خطاب میں کہا کہ بیشتر صحابہ نوجوان تھے، اور انہوں نے اس وقت اسلامی انقلاب پیدا کرنے میں جو بڑا اہم رول ادا کیا، وہ سب کو معلوم ہے، لہذا آج بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ صحابہ کرام کی پیروی کرتے ہوئے نوجوان آگے بڑھیں۔

اجودھیا کے سوامی اومکار انند نے اسلام کو امن وشانتی والا مذہب گردانتے ہوئے کہا کہ اسلام توڑنے کی نہیں بلکہ جوڑنے کی بات کرتا ہے، جو لوگ اسلام پر الزام عائد کرتے ہیں، وہ اسلام کی تعلیمات سے ناواقف ہیں، انہوں نے کہا کہ میں

بھی یہاں اپنے آپ کو اسلام سے جوڑنے آیا ہوں، اور اگر اسلام کے ماننے والوں نے مجھے اپنے سے جوڑ لیا، تو میں ان کا انتہائی شکر گزار ہوں گا۔

سابق ایم پی اور جین ٹی وی کے مالک ڈاکٹر جے کے جین نے خلفاء راشدین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کی فہم وفراست اور بصیرت کے نتیجہ میں آج پوری دنیا میں اسلام پھل پھول رہا ہے، انہوں نے کہا کہ صحابہ کرام آسمان میں چمکتے ستاروں کے مانند ہیں، جو ان سے روشنی چاہے گا وہ راہ ہدایت پر رہے گا۔

پروفیسر انائے کانت جین نے کہا کہ میں نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے، اور میں نے اسلام اور جین دھرم کے پیغام کا موازنہ کیا ہے، اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان میں بڑی یکسانیت ہے۔

(ہفتہ وار ''دی سنڈے انڈین'' اردو ۱۹-۲ مئی ۲۰۱۰ء)

مسلم تعلیمی اداروں کے لیے نئے پروجیکٹوں کی منظوری

سعودی عرب میں واقع اسلامک ڈیولپمنٹ بینک (آئی ڈی بی) نے ہندوستان میں اپنی مالی امداد سے متعلق کئی نئے پروجیکٹوں کو منظوری دی ہے، جن سے یہاں کے مسلم تعلیمی اداروں کو خاص فائدہ ہوگا، شروع کئے جانے والے دیگر پروجیکٹوں میں ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے ذریعہ چلائے جانے والے سول سروسز کوچنگ انسٹی ٹیوٹ کا نئی دہلی میں ایک اور سنٹر قائم کرنا ہے، ان پروجیکٹوں پر ابتدا میں 600000 ڈالر کی سرمایہ کاری کی جائے گی، ملک میں اس طرح مزید تین عالمی سطح کے کوچنگ انسٹی ٹیوٹ قائم کئے جائیں گے۔

ہندوستان میں آئی ڈی بی کے نمائندہ کمال فاروقی نے اتوار کے روز ریاض میں کہا کہ آئی ڈی بی نے حکومت کے ضابطوں کے دائرے میں رہتے ہوئے، تعلیمی پروجیکٹوں میں مدد کرنے کا عہد کیا ہے، دہلی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین وسینٹرل بینک آف انڈیا کے ڈائریکٹر کمال فاروقی آئی ڈی بی کی دعوت پر شاہی مملکت کے دورے پر ہیں، انہوں نے سعودی عرب کی امدادی تنظیموں اور وہاں کے غیر مقیم ہندوستانیوں سے کہا کہ وہ اقلیتوں سے متعلق پروجیکٹوں میں تعاون کریں، انہوں نے مزید کہا کہ اتر پردیش کے شہر ہاپوڑ میں ایک بڑا تعلیمی پروجیکٹ شروع کیا گیا ہے، جو بنیادی طور پر مسلمانوں کی ضرورتیں پوری کرے گا، انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سماجی ومعاشی ترقی کے لیے تعلیم انتہائی ضروری اور اہم ہے۔ (بحوالہ: روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۶ مئی بروز جمعرات ص ۱۲)

☆☆☆

عظمت نقاب نسواں

فائق بندوی
سنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ، بنارس

بہنو ! مری نقاب کو دل سے لگائیے
زہراء و عائشہ کی امانت سنبھالئے

ہے عورتوں کی عفت وعصمت نقاب میں
اللہ نے نوازی ہے عزت نقاب میں

شرم وحیا کا آنکھ میں جگنو سجا رہے
علم وادب کا دل میں ترے رت جگا رہے

ایمان اور عمل کی بہاریں ہوں تیرے پاس
ہر دم تو صبر وشکر کا پہنے رہے لباس

ہے چاندنی بھی رشک بداماں حجاب سے
قائم رہے یوں عصمت نسواں نقاب سے

عریانیت پہ مغربی تہذیب ہے فدا
پاکیزگی کی اوڑھ لے تو مشرقی ردا

خاوند کے لئے ہوں تری رغبتیں تمام
کرنا ہے تم کو اور بھی رشتوں کا احترام

بیٹی ، بہن ہو، بیوی ہو، ماں بھی ہو دلنشیں
قدرت نے ہیں دیئے تمہیں رتبے بڑے حسیں

یوں تو یہ ساری دنیا متاع حیات ہے
انمول اس میں صالحہ عورت کی ذات ہے

فائق یوں ہی یہ کھلتے رہیں دین کے گلاب
اسلامی بیٹیوں کو مبارک ہو یہ نقاب

☆ ☆ ☆

باب الفتاوی

مولانا نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ دوران نماز ہمیں مختلف قسم کے خیالات ووسوسے آتے رہتے ہیں، تو کیا ان وسوسوں کی وجہ سے ہماری نماز کی صحت پر برا اثر پڑے گا؟ اور کیا ہماری نماز باطل ہوجائے گی؟ آپ یہ بھی بتائیں کہ اس مصیبت سے کس طرح نجات حاصل کریں اور نماز میں خشوع وخضوع پیدا ہوجائے۔

برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی سے مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ جب کوئی شخص اپنی نماز میں شیطانی وسوسوں اور مختلف قسم کے خیالات میں مبتلا ہوجائے، جو اس پر قرأت خلط ملط کررہے ہوں، جن کی وجہ سے رکعتوں کی تعداد میں شکوک وشبہات پیدا ہوجائیں، تو اس سلسلہ میں واضح ہو کہ ان وسوسوں اور خیالات کی وجہ سے نماز باطل نہیں ہوگی، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عقبہ بن حارث ؓ سے روایت ہے۔

" صليت وراء النبي ﷺ بالمدينة العصر فسلم ثم قام مسرعا فتخطى برقاب الناس إلى بعض حجر نسائه ففزع الناس من سرعته فخرج عليهم فرأى أنهم عجبوا من سرعته فقال ذكرت شيء من تبر عندنا فكرهت أن يحبسني فأمرت بقسمته"۔ (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب من صلی بالناس فذکر حاجۃ فتخطاھم، الحدیث:۸۵۱)

یعنی میں نے آپ ﷺ کے پیچھے مدینہ منورہ میں عصر کی نماز ادا کی، آپ نے سلام پھیرا، پھر جلدی سے اٹھ کھڑے ہوگئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی کسی بیوی کے حجرے کی طرف چلے گئے، لوگ آپ ﷺ کی اس جلدی بازی سے گھبرا گئے، جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ کی جلدی سے گھبرائے ہوئے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یاد آگیا تھا کہ گھر میں سونے کی ایک ڈلی ہے، سو میں نے ناپسند کیا کہ وہ مجھے روک رکھے، پس میں نے اسے تقسیم کا حکم دے دیا۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں کسی چیز کی یاد وخیال آجائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوگی، ایک دوسری حدیث جو کہ سیدنا حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ سے مروی ہے:

" قال عثمان بن أبي العاص ؓ يا رسول الله ! إن الشيطان قد حال بيني وبين صلاتي وقراء تي يلبسها علي فقال رسول الله ﷺ ذاك شيطان يقال له خنزب، فإذا أحسسته فتعوذ بالله منه واتفل على يسارك ثلاثا قال ففعلت ذلك فأذهبه الله عني"۔ (صحیح مسلم، کتاب السلام، باب التعوذ من شیطان الوسوسۃ فی الصلاۃ:۲۲۰۳)

یعنی حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! شیطان میرے اور میری نماز کے درمیان حائل ہوگیا تھا، اور میری قرأت کو خلط ملط کررہا تھا (یعنی مجھے شک وشبہ میں مبتلا کررہا تھا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ ایک شیطان ہے جسے ''خنزب'' کہا جاتا ہے، جب تم یہ شکایت محسوس کرو تو (دوران نماز) اس سے اللہ تعالی کی پناہ طلب کرو (یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ لیا کرو) اور اپنی بائیں طرف تین مرتبہ تھتکار لیا کرو۔

صحابی رسول حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ عمل کیا تو اللہ تعالی نے شیطان کو مجھ سے دور کردیا، اسی طرح خلیفۂ ثانی سیدنا عمر فاروق ؓ نے کہا: اپنا لشکر روانہ کرتا ہوں، حالانکہ میں نماز میں ہوتا ہوں۔ یعنی بعض اوقات دوران نماز میرا خیال لشکر

کی تیاری کی طرف پلٹ جاتا ہے۔

صحیح بخاری، کتاب العتق، باب الخطأ والنسیان فی العتاقۃ (۲۵۲۸) میں ہے کہ "قال النبي ﷺ إن الله تجاوز عن أمتي ما وسوست به صدورها ما لم تعمل أو تكلم"۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی نے میری امت سے وہ خیالات ووساوس جوان کے سینوں میں پیدا ہوتے ہیں، معاف کردیئے ہیں، جب تک کہ وہ انہیں عملی جامہ نہ پہنالیں یا ان خیالات کے ساتھ کلام نہ کرلیں۔

یہ اوران جیسی دیگر احادیث سے معلوم ہوا کہ مردود شیطان دوران نماز انسان کو وسوسہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وسوسہ اور خیال سے نماز باطل نہیں ہوتی ہے، البتہ جتنا دل ودھیان نماز میں لگے گا اتنا ہی خشوع وخضوع پیدا ہوگا اور جتنا خشوع وخضوع ہوگا اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا، اوراس کا برعکس بھی ہوگا، یعنی دل ودماغ نماز میں نہ رہنے اور خشوع وخضوع نہ ہونے یا کم ہونے سے ثواب میں بھی کمی آجاتی ہے، اللہ تعالی ہماری نمازوں میں خشوع وخضوع پیدا کردے، آمین۔

نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کے مختلف طریقے ہیں، ان پر اگر سچے دل سے عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ نماز میں خشوع وخضوع پیدا ہوجائے گا، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱-نمازی کو چاہئے کہ وہ نماز کے معنی ومفہوم کو سمجھیں، قرأت، دعاء، ذکر واذکار کے الفاظ ومعانی پر غور کریں اور ذہن میں یہ بات بٹھالیں کہ عبادت کرتے ہوئے گویا اللہ کو دیکھ رہے ہوں اور اپنے رب سے محو گفتگو ہوں، جیسا کہ حدیث جبریل میں احسان کا معنی بتلایا گیا ہے کہ "أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك" (صحیح بخاری، کتاب الایمان ح ۵۰)

۲-نماز پرسکون طریقے اور اطمینان کے ساتھ ادا کریں، کسی بھی رکن کو ادا کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لیں، جب تک نماز سکون واطمینان سے ادا نہ کیا جائے نماز ادا نہیں ہوگی، اور نماز میں رکوع وسجدہ صحیح طور پر ادا نہ کرنے والے کو نماز کا چور قرار دیا گیا ہے۔ (مسند احمد ۵/۳۱۰، حاکم ۱/۲۲۹)

۳-دوران نماز کپڑے کو سنوارنا، ہاتھ پیر مارنا اور اسی طرح ادھر ادھر نظر گھمانے والی حرکت کو چھوڑ دیں، اس پر سخت وعید آئی ہے۔ (ابوداود، کتاب الصلاۃ، باب الالتفات فی الصلاۃ: ۹۰۹)

۴-جس جگہ نماز ادا کریں خصوصیت کے ساتھ اس جگہ کو نقش ونگار اور تصاویر وغیرہ سے محفوظ رکھیں۔ (صحیح مسلم، کتاب اللباس ح: ۲۱۰۷)

۵-نماز کی دعائیں اوراذکار زیادہ سے زیادہ یاد کرلیں، اور مختلف نمازوں میں مختلف مسنون دعائیں پڑھا کریں، اس سے دل ان دعاؤں کی طرف لگا رہے گا، اور خشوع وخضوع بھی پیدا ہوگا، اس کے برخلاف اگر ایک ہی دو دعاء سے کام چلائیں گے تو اس سے ایک روٹین بن جائے گی اور پھر دل ودماغ لگانے کی خاص ضرورت نہیں پڑے گی۔

۶-اوپر مذکور حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھتکاریں، لیکن یہ یاد رکھیں کہ تھتکارنے والے عمل سے بغل والے آدمی کو تکلیف وایذا نہ پہنچائیں اور نہ ہی مسجد کو آلودہ (گندا) کریں۔

۷-دوران نماز موت کو یاد کریں، اور یہ خیال رکھیں کہ شاید اگلی نماز پڑھنے کا موقع ملے یا نہ ملے، اس سے خوف خدا اور تقوی، خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا مادہ پیدا ہوگا۔ (سنن ابن ماجہ، مسند احمد، محترم ناصر الدین البانی صاحب ؒ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے)

مذکورہ بالا باتوں پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ شیطانی وسوسہ دور ہوجائے گا اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی توفیق الٰہی مل جائے گی۔ ☆☆